مسلسل اشاعت کے چوالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ الحق

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

524
ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
اپریل 2009

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمدللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک وبیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تاقیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جوکہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دوکروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیراثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یوبی ایل اکوڑہ خٹک 7 -100-0001

نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 5 - 17 ☆ مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1120

Email: editor_alhaq@yahoo.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ

الحق

جلد نمبر ـــــ 44
شمارہ نمبر ـــــ 07
ربیع الثانی ـــــ ۱۴۳۰ھ
اپریل ـــــ ۲۰۰۹ء

اکوڑہ خٹک
28.4.09

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: نظام عدل ریگولیشن کی قومی اسمبلی سے منظوری۔ حقانی خاندان کا جانگداز صدمہ۔ سابق مدرس دارالعلوم مولانا اسید اللہ صاحب کی جدائی۔ شیخ والحدیث حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصوری کی وفات۔ علامہ پیر نصیر الدین نصیر گولڑہ شریف کی رحلت۔ مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کے باوفا فرزند مولانا حسین احمد حقانی کا انتقال .... راشد الحق سمیع ۲

حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب کی قیادت میں حضرت مولانا صوفی محمد سے جمعیت کے وفد کی ملاقات .... ادارہ ۹

غزنوی اور ابدالی کے دیس میں (سفر افغانستان) .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۱۱

دنیا: کھیل تماشہ اور چند لمحوں کا خواب .... حضرت مولانا انوار الحق صاحب ۱۸

سرسید احمد خاں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی (کیا دونوں ایک استاد کے شاگرد تھے؟) .... ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی ۲۶

کتاب "سیرت سلطان ٹیپو شہید" پر ایک نظر .... جناب محی الدین خان ۴۰

اسلام میں مزدوروں اور بچوں کے حقوق .... مولانا مفتی عظمت اللہ ۴۷

حضرت مولانا اُسید اللہ و حضرت مولانا حسین احمد حقانی (یادرفتگان) .... مولانا عرفان الحق ۴۹

فضلائے حقانیہ کی تالیفی، تصنیفی خدمات (مولانا امین الحق گستوئی حقانی) .... مولانا سید حبیب اللہ ۵۶

افکار و تاثرات .... ادارہ ۶۰

دارالعلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۱

تعارف تبصرہ کتب .... ادارہ ۶۳

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات وآراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200 بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر
ناشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز ﷽ راشد الحق سمیع حقانی

نظام عدل ریگولیشن کی قومی اسمبلی سے منظوری

قیام امن کی جانب مثبت قدم

الحمدللہ کہ ہمارے اُجڑے دیار (پاکستان) سے مدتوں بعد خیر کی کچھ خبروں نے اہل پاکستان کے زخم خوردہ دلوں پر مرہم کا کام کردیا ہے۔ سوات میں کئے گئے معاہدہ امن اور نظام عدل ریگولیشن کو قومی اسمبلی نے عظیم اکثریت سے منظور کرا کر عرصہ بعد کچھ خیر وفلاح کا کام کیا ہے اور یوں اپنی اور حکمرانوں کی سیاہ تصویر میں کچھ نیکی اور بھلائی کے سفید رنگ بھر دیئے ہیں‘ پھر مزید حیرت اور مسرت کی بات یہ ہے کہ خیر سے جناب صدر زرداری صاحب نے اُسی دن معاہدے پر دستخط کر دیئے جو اچنبھے کی بات ہے۔ بہرحال یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس معاہدے کو کامیاب کرانے اور قومی اسمبلی سے منظور کرانے میں پیپلز پارٹی اور اے این پی جیسی سیکولر جماعتوں کی کاوشیں بہرحال قابل قدر‘ خوش آئند اور مثبت اقدام ہیں۔ ع پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حالانکہ سوات میں نظام عدل اور نفاذ شریعت کی تنفیذ دینی جماعتوں اور خصوصاً ایم ایم اے کے کرانے کی تھی جوان سے پانچ سال میں نہ ہوسکا اور نہ ہی انہوں نے حضرت مولانا صوفی محمد کو پانچ سال میں جیل کی سلاخوں سے رہا کرایا۔ البتہ انہوں نے پرویز مشرف کی سترہویں ترمیم کو ملک پر ضرور مسلط کیا اور اس کے تمام غیر آئینی اور غیر شرعی اقدامات اور احکامات کو اس شرمناک معاہدہ کے ذریعے آئین کا جامہ پہنایا کہ جس کا خمیازہ اب تک اہل پاکستان اور خصوصاً دیندار طبقہ دن بدن زیادہ شدت کے ساتھ بھگت رہا ہے اور اب بھی ہماری ایک مذہبی جماعت نہ صرف ایک بار پھر شریک اقتدار ہے بلکہ صدر زرداری کے دفاع اور اس کے ذاتی ترجمان کی حیثیت سے ان کی وکالت آئے روز کرتی رہتی ہے جو کہ نہایت ہی قابل افسوس اور باعث مذمت ہے۔ اسی ’’کردار‘‘ اور ’’مفاداتی پالیسیوں‘‘ کے باعث کچھ متعصب اور اکابرین دیوبند کے عظیم کرداروں سے نابلد ایک بے بصیرت صحافی نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز اور مفتی ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ قدس سرہ العزیز جیسے اکابرین کو بھی آج اپنے جورِ قلم کا نشانہ بنایا ہے کہ ’’موجودہ وقت میں بھی بعض مذہبی رہنما بھرپور انداز سے ذاتی اور مفاداتی سیاست کر رہے ہیں انکے بزرگوں نے بھی ایسا کیا تھا‘‘ (العیاذ باللہ) حالانکہ موجودہ مذہبی سیاسی قیادت اور کہاں وہ پہلے کی پاکباز اور صحابہ کرامؓ کے صحیح بوریانشیں جانشین اکابر کے درمیان کیا نسبت ہے؟ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس طرح اس معاہدہ کی منظوری اور کامیابی پر مغرب امریکہ‘ سیکولر قوتیں اور خصوصاً مہاجر قومی موومنٹ کے اسلام دشمن رہنما الطاف حسین کی چیخ وپکار اور واویلا بھی اہل پاکستان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ ان سے اسلام کا نظام

عدل چھوٹے سے علاقہ میں بھی برداشت نہیں ہورہا اور نہ ہی ان سے ہضم ہورہا ہے۔قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ اور ہماری ساری جماعت روز اول ہی سے اس تحریک اور معاہدہ کی تائید میں پیش پیش ہے۔(اسی سلسلے میں قومی اخبارات میں شائع شدہ خبر آگے ادارتی صفحات میں شامل ہے)

حضرت مولانا عبدالعزیز‘ خطیب لال مسجد کی رہائی: اس طرح لال مسجد کے خطیب حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہ کی سپریم کورٹ آف پاکستان سے ضمانت اور رہائی بھی نہایت ہی خوش آئند فیصلہ ہے۔مولانا مدظلہ کو بہت پہلے رہا کردینا چاہیے تھا۔مولانا‘ ان کے خاندان اور ان کے ادارہ کے ساتھ جو ظلم اُس وقت کی حکومت نے کیا تھا وہ ظلم وستم دوسری کربلا کے برابر ہے۔اصولاً تو اِس حکومت کو پہلے روز ہی انہیں رہا کردینا چاہیے تھا لیکن افسوس کہ وہی فرسودہ نظام اور غلامانہ پالیسیاں ویسے ہی چل رہی ہیں صرف چہرے اور غلام آقاؤں کے فیصلے کے مطابق بدلے گئے ہیں۔اب مولانا مدظلہ کو بھی پھونک پھونک کر آگے قدم رکھنا پڑے گا کہ ابھی ان کے راستے میں کئی پتھر اور رکاوٹیں جوں کی توں موجود ہیں۔ہم انکی رہائی کا خیرمقدم کرتے ہیں اور لال مسجد کے مجرموں کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

چیف جسٹس کی بحالی: اسی طرح سپریم کورٹ آف پاکستان کے معطل چیف جسٹس جناب افتخار چودھری کی بحالی بھی ایک مثبت اور قابل تحسین اقدام ہے۔اس موقع پر وکلاء برادری اور سول سوسائٹی نے جس کامیاب انداز سے تحریک چلائی وہ بھی پاکستان کی تاریخ کا ایک انوکھا باب ہے۔ہم توقع رکھتے ہیں جناب چیف جسٹس آف پاکستان سے کہ وہ پاکستان کے پسے ہوئے عوام کے حقوق کا تحفظ اور نظام عدل کی فوری فراہمی کا وعدہ نبھانے میں اپنی بھرپور صلاحیتیں بروئے کار لائیں گے اور عدلیہ کے دیمک زدہ اور کرپٹ نظام کی اصلاح کے لئے پوری کوشش کریں گے۔تب ہی یہ پاکستان کے عوام کے خوابوں کی صحیح تعبیر اور روشن صبح بنیں گے۔اس کے علاوہ پنجاب حکومت کی بحالی بھی موجودہ حالات میں ایک درست قدم ہے۔امید ہے کہ صدر زرداری اپنی جلد بازی کے اقدامات کا سلسلہ اب ترک کردیں گے اور ملک کے موجودہ خراب حالات میں افہام وتفہیم اور برداشت‘ رواداری کے لئے اپنی مثبت کاوشوں کو بروئے کار لائیں گے‘ تب ہی یہ ملک اپنے صحیح ٹریک پر آئے گا۔

ناکام خارجہ پالیسی پر نظرثانی: اسی طرح انہیں اپنی ناکام خارجہ پالیسیوں پر بھی فوری نظرثانی کرنی چاہیے اور امریکی غلامی کو اب خیرآباد کہہ دینا چاہیے کہ امریکی دوستی نے دشمنی سے بڑھ کر ملک وملت کو عظیم نقصانات سے دوچار کیا ہے۔صرف اور صرف ڈیڑھ ارب ڈالر کی حقیر رقم کے لئے اپنی آزادی‘ خودمختاری اور حمیت کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے۔قوم وملک کو اگر فروخت کرنا ہی تھا تو صرف ڈیڑھ ارب ڈالر کی خاطر کیوں بیچا؟ بدقسمتی تو یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کو نہ طرز حکمرانی آتی ہے اور نہ ہی اپنے ہم وطنوں کے خون اور قربانی کا ''سودا''۔اگر ملک وملت اور خودی کو بیچنا ہی ضروری اور ''مصلحت'' اور قومی بقاء کا ''راز'' ہے تو پھر اسے اتنا ارزاں کیوں بیچ رہے ہیں؟ شاید اقبال ؒ نے موجودہ حکمرانوں کے بارے میں ہی یہ دردانگیز اور جگرسوز شعر لکھا تھا کہ قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند

وفیات:

ایک پھول جو بن کھلے مرجھا گیا ___ حقانی خاندان کا جانگداز صدمہ

۱۲/مارچ ۲۰۰۹ء بروز جمعہ حقانی خاندان کے لئے بھاری ثابت ہوا۔ حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ کے جواں سال ۱۷/سالہ نواسے حماد ہدایت الرحمٰن جو کچھ دن پہلے سڑک کراس کرتے ہوئے ایک تیز رفتار موٹر سائیکل کی زد میں آ کر زخمی ہوگئے تھے اور دس روز تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد بالآخر جمعہ کی رات اس جہان فانی سے جہان باقی کی طرف رخصت ہوگئے۔ اور حقانیہ کے حقانی مقبرہ میں اپنے نانا جان حضرت شیخ الحدیث مرحوم کے پہلو میں آسودۂ خواب ہوگئے۔ جواں سال حماد ہدایت پر تعزیتی کلمات لکھنا اگرچہ جگر کا خوں کرانے کے برابر ہے لیکن لکھنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ آپ ایسی ممتاز صفات سے مزین نوجوان تھے جو اس گئے گزرے دور میں کردار' اخلاق اور اوصاف کا ایک بہترین نمونہ تھے۔ موجودہ زمانے کے فتنوں' بے راہ روی کے سیلاب اور پر آشوب دور میں عہد شباب کے ایام کا گزارنا درحقیقت جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ مگر آپ اس پل صراط پر ایسے باوقار اور ثابت قدمی سے گزرے کہ ہر ہر فرد اور ہر ہر ساتھی نے ان کی مثالی شرافت' تقویٰ' قابلیت' اطاعت شعاری' اور پرہیزگاری کی گواہی دی ___ آپ بچپن ہی سے نماز باجماعت اور صفِ اول میں شرکت کے عادی تھے بلکہ یہ آپ کی زندگی کے اولین مقاصد میں سے تھا۔ اسکول سے لے کر کالج تک ہر امتحان اور ہر کلاس میں پہلی اور دوسری پوزیشن لینا آپ ہی کا وطیرہ تھا۔ حفظ قرآن کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا' سترہ سپارے حفظ کر لئے تھے' ساتھ میں تجوید میں بھی مہارت پیدا کرلی تھی بلکہ فرصت کے لمحات میں پڑوسیوں کو قرآن کا صحیح تلفظ ادا کرنے کی مشق بھی کرایا کرتے تھے۔ والدین کی فرمانبرداری بھی ایسی تھی کہ خاندان بھر میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ حیاء کے اس مقام پر تھے کہ کبھی بھی اور کسی بھی بڑے سے زندگی بھر اونچی آواز میں بات نہیں کی۔ حتیٰ کہ راقم سے ایک دو ضروری مسائل میں مشورہ لینا چاہا تو وہ بھی والدہ کے ذریعے سے کہلوایا۔ خود حماد نے زندگی بھر راقم سے سلام سے بڑھ کر کوئی بات نہیں کی۔ الغرض حماد مرحوم ایک ایسے گوہر یکتا تھے کہ اگر زندگی ان سے وفا کرتی تو حقانی خاندان اور والدین کی نیک نامی اور عزت وافتخار کے بڑھانے کا مزید باعث ہوتے۔ ؎

کچھ نہیں کھلتا کہ تیری نوجوانی کی برات
مڑگئی کیوں جانب گورغریباں ہائے ہائے

قابل آفرین ہیں ان کے والدین بھی جو اس پہاڑ سے بڑے غم کو بھی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر گئے۔ حالانکہ صبر ورضا کے بندھن ایسے بڑے حادثات کے باعث نہ صرف ٹوٹ جاتے ہیں بلکہ ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کی والدہ جو حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی سب سے چھوٹی بیٹی سے بڑی بیٹی ہیں انہوں نے اپنے بچوں اور خصوصاً مرحوم کی تعلیم وتربیت میں بنیادی کردار ادا کیا۔ حماد (والد ہدایت الرحمٰن حضرت شیخ الحدیثؒ کے چچازاد بھائی جناب خلیل الرحمٰن کے فرزند اور سگے بھانجے ہونے کے ناطے دوہرے رشتے رکھتے ہیں) کو اللہ نے بڑی خوبیوں سے نوازا

ہے۔حماد کی چھوٹی سی عمر میں بے پناہ صلاحیتوں کا اجاگر کرانے میں ان دونوں کی شب وروز کی محنتیں اور دعائیں ہی تھیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حماد کو اعلیٰ علیین میں بلند مقامات عطا فرمائے اور جو حسرتیں اور آرزوئیں ان کے دل میں نا تمام رہ گئی تھیں ان کا بہترین نعم البدل اُخروی نعمتوں کی صورت سے اللہ تعالیٰ انہیں سرفراز فرمائے (امین) اوران کے والدین اور پسماندگان کو صبر ورضا کے جو بلند مقامات ہیں ان پر فائز فرمائے۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں　　خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق　　میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہوگئیں

دار العلوم کے سابق مدرس اور ایک مردِ درویش
حضرت مولانا اسید اللہ صاحبؒ کی جدائی

دستِ اجل کچھ عرصہ سے مسلسل علماء،صلحاء اور نیک بندوں کے گھروں پر پے درپے دستک دے رہا ہے۔ ہر جانب اور ہر سمت سے موت‘موت اور صرف موت کی آمد آمد دکھائی دے رہی ہے۔جس کو دیکھو اور جس جانب دیکھو موت کی وادیوں کی جانب کشاں کشاں چلا جارہا ہے۔افسوس تو علماء اور پھر حضرت مرحوم جیسی بڑی شخصیت کے بچھڑنے پر تو ہے ہی لیکن زیادہ دکھ اور پریشانی اس بات پر ہے کہ ایسے وقت میں یہ رشد وہدایت کی شمعیں بجھتی چلی جارہی ہیں جب ہرسو گمراہی اور جہالت کے اندھیرے راج کررہے ہیں۔حضرت مولانا مرحوم ومغفور بھی بڑے اوصاف والے عالم دین تھے۔دیکھنے میں قرون اولیٰ کے سادہ اور پاکباز اکابرین کا پرتو نظر آتے تھے۔شکل وصورت اور کردار وگفتار کا ایسا مرقع ومرکب تھے کہ دیکھنے والا ایک ہی ملاقات میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔دار العلوم حقانیہ میں ایک دہائی سے زیادہ درس وتدریس وتبلیغ کے شعبوں سے وابستہ رہے۔دار العلوم حقانیہ میں تبلیغ اور جماعت کا باقاعدہ آغاز وانتظام آپ ہی نے شروع کیا۔اور طلباء کی اصلاح اور ذہن سازی کے لئے باقاعدہ بیانات آپ ہفتے میں کئی بار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا اُسید اللہ ” دار العلوم کے شیخ الحدیث اور موجودہ وقت کے ولی حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب دامت برکاتہم کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ دونوں بھائی حقیقت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔دین اور اسلامی علوم وفنون کا جو کام اللہ نے ان دونوں بھائیوں سے لیا اور لے رہے ہیں وہ قابل تحسین ہے۔آپ زندگی بھر درس وتدریس و تصنیف سے وابستہ رہے۔حتیٰ کہ زندگی کے آخری لمحات تک تعلیم اور قرآن کی خدمت کرتے رہے۔آپ بعد العصر قرآن کی پشتو زبان میں تفسیر لکھ رہے تھے اور آپ کا قلم **ذلك لمن خاف مقامي وخاف وعيد** کی یہ تشریح کررہا تھا کہ مقام سے مراد خداوند کی بارگاہ میں قیام ہے۔اس جملہ کے بعد آپ بے ہوش ہوگئے اور یوں آپ کا قلم

اور جسم دونوں سجدے کی حالت میں گر گئے۔ ع قلم ایں جا رسید و سر بشکست

سبحان اللہ۔ کس قدر قابل رشک تھی آپ کی زندگی اور اس سے بڑھ کر آپ کی مثالی موت۔ جنازہ اس قدر بڑا اور تاریخی نوعیت کا تھا کہ حشر کا سماں نظر آ رہا تھا۔ ہر جانب سے ہزاروں افراد اُمڈ آئے تھے۔ حضرت والد صاحب مدظلہ نے اس موقع پر مختصر خطاب فرمایا اور نماز جنازہ بھی آپ ہی نے ادا کی۔ ادارہ ان کے صاحبزادگان اور خصوصاً شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب کے ساتھ دلی تعزیت کرتا ہے۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقانہ پاک طینت را

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصوریؒ کی وفات حسرت آیات

ابھی علمی دنیا اور وابستگان علوم نبویہ حضرت مولانا شیخ الحدیث معز الحق صاحب قدس سرہ اور مولانا شیخ التفسیر اُسید اللہ صاحبؒ کی جدائی پر سراپا غم بنے ہوئے تھے کہ ایک اور دلدوز خبر وحشت اثر نے علمی اور روحانی دنیا میں بھونچال پیدا کر دیا۔ گویا متاع علم و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی۔ شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شمس الہادی صاحب شاہ منصوریؒ بھی گزشتہ دنوں طویل علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔ آپ صوبہ سرحد کے اکابرین علماء کی تقریباً آخری نشانی تھے۔ چہرے پر اس قدر نورانیت ہوتی تھی کہ آپ کو دیکھ کر خدا یاد آ جایا کرتا تھا۔ آپ نے بھی اپنے بزرگوں اور اکابرین کی طرح اپنی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ تعلیم و تدریس اور قرآن و سنت کی تشریح کے ساتھ ساتھ اصلاح عالم و تزکیہ نفوس میں صرف کی۔ ایک عالم آپ کے حلقہ ارادت میں شامل تھا۔ یقیناً آپ کے معتقدین اور تلامذہ کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ آپ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنیؒ کے سلسلہ نقشبندیہ میں خلیفہ مجاز تھے آپ کا معمول یہ تھا کہ درس و تدریس سے فراغت کے بعد اپنے مریدین اور معتقدین کی اصلاح اور تصوف و سلوک کی طرف متوجہ ہوتے اور شب و روز میں صرف چند گھنٹے آرام فرماتے اور باقی تمام وقت تعلیم و تدریس اور ذکر و اذکار میں مشغول رہتے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں اور شہروں و دیہات میں بیان فرمانے کے لئے اپنی کمزوری و پیرانہ سالی کے باوجود آخر وقت تک تشریف لے جاتے رہے۔ آپ کے مواعظ اور تقاریر سادہ ہوتی تھیں لیکن ان میں بلا کا اثر ہوتا تھا۔ جس سے آپ نے قلوب کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سامعین آپ کی تقریر کو بہت شوق و توجہ سے سنتے۔ آپ کی وفات سے ایک ایسا خلاء پیدا ہوا ہے جس کا پُر ہونا انتہائی مشکل ہے' آپ کی نماز جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت آپکی مقبول عند اللہ اور مقبول عند الناس کی بین اور واضح دلیل ہے۔ آپکی نماز جنازہ میں دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور کثیر تعداد میں طلباء نے شرکت کی۔ جنازہ سے قبل حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے آپکی حیات اور آپکے کارہائے نمایاں پر مختصر مگر جامع خطاب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الماویٰ اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور

پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ادارہ آپکے صاحبزادگان اور اہل خانہ بالخصوص انکے صاحبزادوں حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب' مولانا ظہور الحق صاحب' مولانا قاری احسان الحق صاحب و دیگر برادران اور پروفیسر اظہار الحق صاحب سے دلی تعزیت کرتا ہے۔ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم تو نے وہ گنجہائے گرانمایہ کیا کئے

علامہ پیر نصیر الدین نصیرؒ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین کی رحلت

پاکستان کی معروف علمی و روحانی خانقاہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین اور حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے پڑپوتے او ان کے علمی و روحانی جانشین حضرت پیر نصیر الدین نصیر گزشتہ دنوں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔

گولڑہ کی خانقاہ پاکستان کی ان چند روحانی خانقاہوں میں سے ہے جس کا فیض گزشتہ کئی دہائیوں سے چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔اس خانقاہ کی علمی و روحانی خدمات کے معترف عام و خاص اور ہر شعبہ و مسلک سے وابستہ ہیں' حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کی غیر معمولی شخصیت اور ان کے علمی و روحانی سلسلوں کے امین پیر نصیر الدین نصیرؒ صحیح معنوں میں اپنے آباؤ اجداد کے جانشین ثابت ہوئے۔حضرت پیر مہر علی شاہؒ اور اکابر علماء دیوبند کے درمیان کئی حیثیتوں سے باہمی اخلاص و محبت اور اعتماد کا تعلق قائم تھا' مرحوم پیر نصیرؒ نے بھی ان روایات کو برقرار رکھا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں بیشمار خداداد صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا۔آپ شعر و ادب اور خصوصاً نعت گوئی کے سلسلہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فارسی' اردو اور عربی زبانوں میں اس قدر مہارت اور پختگی عطا کی تھی کہ فن نعت گوئی' رباعیات و قطعات اور غزلیات کے میدان میں فی زمانہ آپ سے بڑھ کر اور آپ سے بہتر شہسوار نہ تھا۔جس مشاعرے میں بھی شرکت کرتے' اہل درد اہل دل اور اہل ذوق حضرات اس میں بھرپور انداز سے شریک ہوتے اور جب آپ اپنے خصوصی انداز اور والہانہ پن سے اپنے اشعار سناتے تو محفل میں ایک سماں بندھ جاتا اور سامعین جذب و وجد میں واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعرے بلند کرتے ہوئے جھوم اٹھتے۔عشق رسول ﷺ آپ کی رگ رگ اور ہر سانس میں رچا بسا تھا۔ آپ بھی حضرت حسان بن ثابتؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر دن اور ہر لحہ حضور اقدس ﷺ کی مداح سرائی میں ڈوبے رہتے۔گلستانِ مدنی کی مدح سرائی اور تعریف و توصیف میں ہر وقت آپ کی زبان سے پھول و جوہر جھڑتے تھے' یہ عشق رسول ﷺ کا اعجاز ہی تھا کہ آپ نعتیں لکھتے لکھتے اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں پر کمال اور عروج کی انتہا ہوتی ہے۔راقم بھی بچپن ہی سے آپ کا مداح تھا۔ابتداء ہی سے آپکے مشاعرے اور نعت گوئی کی محفلیں ویڈیو اور آڈیو کیسٹوں کے ذریعہ جذبِ شوق سے سنتا چلا آ رہا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ آپ شعر و ادب اور علم و تحقیق کے عظیم گوہر نامدار تھے۔آج کے اس مادی دور میں اس کا وجود عنقا ہے۔شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے فلسفہ تصوف اور نظریہ وحدۃ الوجود کے بہت

بڑے شارح تھے۔اور یہ عظیم وصف آپ کو اپنے دادا پیر سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ سے ورثہ میں ملا تھا اس کے علاوہ آپ کی کثیر و قیع علمی ٗ ادبی ٗ شعری تصنیفات آپ کی علمی شان و شوکت پر دلیل ہیں۔آپ عزت و شہرت کے بلند مقام پر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے تھے اور یہی تصوف و احسان کی آخری منزل اور فنائیت کی انتہاء ہے اپنی اس درویشانہ شان کی وجہ سے آپ عوام و خواص میں بے حد مقبول تھے۔حسن اتفاق سے وفات کی شب کسی معاملہ پر حضرت والد ماجد مدظلہ سے ٹیلی فون پر تفصیلی گفتگو اور اپنے باہمی اخلاص و محبت کا اظہار کیا۔جمعہ کی نماز اور خطبہ کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ اچانک دل کا دورہ پڑ گیا۔ہسپتال میں آپ کو بچانے کی تمام تدبیریں نا کارہ ثابت ہوئیں اور آپ اللہ کے حضور ثنا خوانی و مدح سرائی و نعت گوئی کی محفلیں سجانے کے لئے ایک منزل آگے بڑھ گئے۔

نماز جنازہ میں لاکھوں افراد کی شرکت باوجود بادو باراں کے آپ کی محبوبیت کی دلیل تھی۔ایک ایسے وقت میں جبکہ زمانہ کو عبقری اور جوہر شناس شخصیات کی ضرورت تھی آپ کا اس جہان فانی سے اٹھ جانا ایک ملی اور قومی اور علمی ٗ ادبی خسارہ ہے۔**اللھم اکرم نزلہ**

آخر میں یہ یہ نثری مرثیہ آپ ہی کی رباعی پر ختم کرتا ہوں جس کا عنوان ہے ’’التجا بحضور رب تعالیٰ‘‘

عزت ہے میری تیرے حوالے مولا　　ذلت کی حیات سے بچالے مولا
محتاج بنا کے دے نہ بستر کی سزا　　چلتے پھرتے اٹھالے مجھے مولا
اور ؎　ان کی محفل میں نصیران کے تبسم کی قسم　　دیکھتے رہ گئے ہم ہاتھ سے جانا دل کا

مادر علمی دارالعلوم حقانیہ کے باوفا فرزند مولانا حسین احمد حقانیؒ کا انتقال

گزشتہ چند مہینوں سے علمی اور روحانی دنیا پر ایک عظیم ابتلاء اور امتحان کا دور آیا ہے اس قلیل عرصے میں بہت سے علماء و صلحاء اور امت مسلمہ کیلئے سرمایہ کی حیثیت رکھنے والے حضرات ایک ایک کر کے اس دنیا سے روپوش ہو رہے ہیں۔ان مسافران عالم بقاء میں ایک ہمارے دارالعلوم حقانیہ کے انتہائی باوفا اخلاص اور عقیدت کے پیکر مولانا حسین احمد حقانیؒ ہیں۔آپ دارالعلوم کے قدیم فضلاء میں سے تھے اور اس کے بانی شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے ساتھ آپ کی عقیدت و محبت مثالی تھی۔فراغت کے بعد آپ نے کراچی میں ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈالی تھی اور آخر وقت تک خدمت علوم دینیہ میں آپ منہمک رہے۔ایک عرصہ سے آپ شوگر اور گردوں کے خرابی جیسے موذی امراض میں مبتلا تھے لیکن پھر بھی مہلک بیماریوں کے باوجود اپنے مادر علمی تشریف لایا کرتے تھے۔گزشتہ ماہ رمضان میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اپنے علاقہ سوات تشریف لائے ٗ وہاں پر آپ پر مرض کا شدید حملہ ہوا اور اپنے ہی گاؤں میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔۱۹؍فروری کو مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کراچی ان کے مدرسہ میں تعزیت کیلئے تشریف لے گئے ٗ ادارہ آپ کے پسماندگان و صاحبزادگان جناب مولانا محمود الحسن حقانی وغیرہ سے اس موقع پر دلی اظہار تعزیت کرتا ہے۔

حضرت مولانا شیر علی شاہ کی قیادت میں مولانا صوفی محمد سے جمعیۃ کے وفد کی ملاقات
قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کی طرف سے مبارکباد اور مکمل تائید کا پیغام
اور مولانا سمیع الحق کے نام مولانا صوفی محمد صاحب کا جوابی پیغام

جمعیت علماء اسلام (س) کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ کی قیادت میں تحریک نفاذ شریعت محمدی کے سربراہ مولانا صوفی محمد اوران کے رفقاء کے ساتھ تحریک کے مرکزی دفتر امان درہ بٹ خیلہ میں تفصیلی ملاقات کی۔ اور قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کا پیغام پہنچایا۔وفد میں جمعیت کے جنرل سیکرٹری صوبہ سرحد مولانا یوسف شاہ۔ مولانا سمیع الحق کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد الحق حقانی سابقہ ایم این اے‘صوبائی نائب امیر مولانا حافظ حسین احمد‘ نائب امیر مولانا اسرائیل۔مولانا حافظ محمد جمشید۔مولانا انوار اللہ باچا۔مولانا غنی الرحمان حقانی‘ مولانا محمد نثار‘ شیخ امین جان۔مولانا مفتی معین الدین۔مولانا نامدار علی۔مولانا محبوب الٰہی۔الحاج رحیم اللہ خان۔مولانا محمود الرحمٰن مولانا مشہود شاہ۔اور حاجی گل شامل تھے۔وفد کے ترجمان سید یوسف شاہ نے مرکز میں منعقدہ تقریب سے مولانا سمیع الحق کا پیغام پڑھ کر سنایا جو کہ مولانا سمیع الحق نے مولانا صوفی محمد کے نام پیغام میں کہا تھا کہ موجودہ فرسودہ عدالتی نظام تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ملاکنڈ میں عدالتی ریگولیشن قائم ہونے سے پورے ملک میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔اوراب عوام اس کوشش میں ہیں کہ پورے ملک میں عدالتی نظام شرعی تقاضوں کے مطابق ہو۔انہوں نے کہا کہ عدالتی ریگولیشن اللہ کی ایک عظیم نعمت اور رحمت ہے۔اس کی برکت سے ملک میں لگی ہوئی آگ بجھ جائے گی۔مولانا سمیع الحق نے کہا کہ صوفی محمد نے سوات میں امن قائم کر کے عوام کے دل جیت لئے ہیں۔اورایک جرات مندانہ کردارادا کیا جو یقیناً قابل تحسین ہے۔مولانا سمیع الحق نے صوفی محمد کو یقین دلایا کہ وہ نظام عدل ریگولیشن کی تائید تعارف اور اہمیت کے بارے میں چاروں صوبوں میں نظام عدل ریگولیشن سیمنار منعقد کرائیں گے۔تقریب سے قائد وفد مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج ملک بھر کے سیاسی اور دینی جماعتوں کے قائدین کو چاہیے کہ وہ نظام عدل ریگولیشن کی تائید میں پورے ملک میں ریلیاں نکالیں‘ اور حکومت سے مطالبہ کریں کہ وہ مولانا صوفی محمد کی تقلید کرتے ہوئے عدالتی نظام کو شفاف اور عوام کو انصاف دہلیز تک پہنچانے کے لئے کوشش کرے۔انہوں نے طالبان سے بھی اپیل کی کہ وہ اب پرامن رہیں اور مولانا صوفی محمد کی قیادت میں اس عدالتی ریگولیشن کو پائیدار بنانے کے لئے تمام صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔انہوں نے کہا کہ عوامی نیشنل پارٹی کا یہ کارنامہ قابل تحسین ہے۔تحریک نفاذ شریعت محمدی کے سربراہ مولانا صوفی محمد نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے وفد کا شکریہ ادا کیا اور قائد جمعیت مولانا سمیع الحق کی دینی وسیاسی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ سیاسی اور جمہوری پارٹیوں سے الگ ہوکر قیادت سنبھالیں ہم شانہ بشانہ چلیں گے۔انہوں نے

مولانا سمیع الحق کو اپنے خطاب میں مختلف القابات سے نوازتے ہوئے کہا کہ مولانا سمیع الحق' داعی حق' قائد حق' اور امام حق ہیں۔ وہ روز اول سے تحریک نفاذ شریعت محمدی کی جدوجہد کے حامی رہے ہیں۔ انہوں نے ہر موقع پر تحریک کی سرپرستی فرمائی ہے' انہوں نے کہا کہ جمہوری سسٹم کے ہوتے ہوئے اسلامی نظام کا نفاذ ناممکن ہے اس لئے کہ مولانا حامد الحق نے قومی اسمبلی میں شریعت بل پیش کیا لیکن پرائے تو کیا اپنوں نے مخالفت کی اور اس بل کو مسترد کیا۔ انہوں نے کہا کہ مولانا سمیع الحق کے علاوہ ہمارے سیاسی اور مذہبی جماعتوں کے تمام قائدین اور رہنما اس کفری نظام کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ مولانا صوفی محمد نے کہا کہ اسلامی نظام کے بغیر معاشرہ میں امن خوشحالی اور انصاف مہیا کرنا قطعاً ناممکن ہے انہوں نے علماء پر زور دیا کہ وہ خدارا اس کفری نظام سے باہر نکل کر اسلامی نظام کے لئے عملی جدوجہد شروع کریں بعد میں جمعیت کے مقامی رہنما حاجی گل نے وفد کے اعزاز میں اپنی رہائش گاہ پر ظہرانہ دیا جسمیں تمام شرکاء وفد نے شرکت کی۔ (۱۶ اپریل ۲۰۰۹ء۔ قومی اخبارات)

علمأ ' خطبأ' طلبأ اور عام مسلمانوں کے لئے عظیم الشان

خوشخبری

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ کے خطبات وافادات کا عظیم الشان مجموعہ علم وحکمت

دعوات حق (مکمل دو جلدوں میں)

مرتبہ **مولانا سمیع الحق** مدظلہ' مہتمم دارالعلوم حقانیہ

نایاب ہونے کے بعد اب سہ بارہ شائع ہوگئی ہے۔ آج ہی حاصل کیجئے ورنہ اسکی نایابی پر ایک بار پھر افسوس کرنا پڑیگا

دعواتِ حق: ایک ایسا گنجینہ جسے اہل علم خطبأ واعظین اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور قومی وملی پریس نے سراہا۔ جو ہر خطیب واعظ مقرر کے لئے پکی پکائی روٹی کا کام دیتا ہے جو رشد وہدایت احسان وسلوک کے متلاشیوں کیلئے شیخ کامل کا کام دیتا ہے۔ **دعواتِ حق:** دین شریعت اخلاق ومعاشرت علم وعمل عروج وزوال نبوت ورسالت شریعت وطریقت کے ہر ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے۔ **دعواتِ حق:** شیخ الحدیث محدث ومجاہد کبیر مولانا عبدالحقؒ کی عام فہم اور درد وسوز میں ڈوبی ہوئی گفتگو اور خطابت کا ایسا مجموعہ ہے جو دلوں میں اتر کر یقین کو بیدار کر کے اصلاحی وایمانی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

☆ فضلأ' علمأ' طلبأ اور اہل مدارس کیلئے خاص رعایت

☆ صفحات جلد اول: ۶۷۲۔ قیمت ۔/۲۶۰ روپے۔ صفحات جلد دوم ۵۰۲۔ قیمت ۔/۲۰۰

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' ضلع نوشہرہ' پشاور

سفر افغانستان کے چند پراگندہ نقوش

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

افغانستان : روئے زمین پر حق و باطل کی سب سے اہم رزمگاہ

غزنوی اور ابدالی کے دیس میں

بلخ کے کھنڈرات یا علم و حکمت کے دفینے

حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی مصروفیات کی وجہ سے اس دفعہ ان کا سفرنامہ حرمین الشریفین شامل اشاعت نہ کر سکے' اس کی کچھ نہ کچھ تلافی مولانا مدظلہ کی کافی عرصہ پہلے سفر کابل کے بارہ میں لکھی ہوئی تحریر پیش کررہے ہیں۔دشمن کے ہاتھوں تباہ حال افغانستان کی بربادی اور کافروں کی یلغار کے بارہ میں مولانا مدظلہ کے احساسات' خدشات اور وہاں کی حالت زار پر روشنی پڑتی ہے' خدا کرے مولانا مدظلہ کو اس سرگزشت کو بھی مکمل کرنے کا موقع مل جائے......(ادارہ)

آج ۲۲ رجون ۱۹۷۱ء ہے اور عالم اسلام کے بطل جلیل مجاہد اعظم سلطان محمود غزنویؒ کے شہر میں جانے کا پروگرام ہے ،غیور مسلمانوں کی سرزمین،افغانستان میں ہماری آمد کا دسواں دن ہے ،برادر محترم قاری سعید الرحمٰن صاحب روالپنڈی بھی اس سفر کے ساتھی ہیں بابر اور ابدالی کے دیس،مجاہد اسلام محمود غزنویؒ کے وطن افغانستان کی زیارت کی دیرینہ آرزو تھی ،ہمارے پڑوس کے یہ مغربی خطے کبھی ہمارے میراث علم وحکمت کے علمبردار وامین تھے دین ودانش کی شعائیں ادھر ہی سے مشرق کو مالا مال کرتی تھیں پھر غلام ہندوستان کے زمانہ میں بھی یہی خطہ اور غیور افغانوں کا چھوٹا سا ملک حریت اور جہاد آزادی کا مدرسہ بنا ہوا تھا اور گویا ایشیا کا یہ بلجیم کمزور قوموں کی قوتوں کا معیار اور اپنی آزادی کا آپ محافظ رہا، یہ جیالے افغانوں کا وطن ہے جنہوں نے عظیم برٹش امپائر کے استعماری عزائم کو مدتوں خاک میں ملائے رکھا جہاں خلافت راشدہ کے ابتدائی ادوار ہی میں اسلام کا نور پہنچا اور بحیثیت قوم پوری ملت افغانیہ نے اسلام کو لبیک کہا،مغرب پورے جاہ وجلال کے ساتھ بھی اسے غلام نہ بنا سکا اور ایک عرصہ تک مغربیت کی پوری زور آزمائی کے باوجود اسلامی شریعت کی روح یہاں کارفرما رہی۔مگر آج کا افغانستان اتنے ہی جوش اور ولولہ سے مغرب کی مادہ پرست تہذیب سے بغلگیر ہورہا ہے اور مشرقی یورپ کے راستے سے آئی ہوئی مغربیت گویا اپنی سحر کاریوں میں دوآتشہ ثابت ہورہی ہے،مغرب سے مقابلہ آسان تھا مگر مغربیت عالم اسلام کے لیے اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ثابت ہوا کس کی تاب تھی کہ اس کی چکاچوند کے سامنے ٹھہر سکتا اور ایسا کیوں نہ ہو قیامت سے پہلے اس تہذیب ہی کی کوکھ سے نکلنے والا فتنہ دجال ہی تو ہوگا جو پورے عالم اسلام کو دام تزویر میں لے لیگا۔پچھلے دس دنوں میں ہم نے کابل اور اس کے

گردونواح میں بہت کچھ دیکھا۔شمال مغرب میں سینکڑوں میل دور تک ترکستان جانا پڑا، مزار شریف (جو حضرت شاہ ولایت مآب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو منسوب ہے) کی زیارت ہوئی، اوراس سے ذرا دور روسی سرحد کے سایہ میں وہ ویرانہ بھی دیکھا جو کبھی بلخ کے نام سے عالم اسلام کا مرکز علم وسیاست بنا ہوا تھا جہاں سے علم وحکمت کے چشمے پھوٹ کر عالم اسلام کے دل ودماغ کی حیات نو کا ذریعہ بنتے تھے اس کے جنوب میں دریائے آمو (جیحون) واقع ہے اس علاقہ میں آریائی تہذیب وتمدن پروان چڑھی، زردشت کی مذہبی آتش پرستی نے یہاں رواج پایا اور اُس دور کا سب سے بڑا آتش کدہ یہیں بنایا گیا، تاریخ کے ہر دور میں بلخ نے اپنے اثرات چھوڑے، اور بلخ، باکتر، بان، نجدی، باختر، بلہیکا، باغل، پامیک، بلخ بامی، زراسب اسی کے مختلف نام رہے پھر عہد فاروقی میں اسلامی افواج کی ترک تازیوں کا مرکز بنا، خراسان کے یہی خطے تھے جو حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ ۲۳ھ/۶۴۴ء میں ان کے بھیجے ہوئے ایک سالار حضرت احنف ابن قیس اوران کے جانباز ساتھیوں ربعی بن عامر التمیمی، عبداللہ بن ابی عقیل الثقفی، ابن ام غزال الھمدانی جیسے بہادر شاہ سواروں کی آماجگاہ بنے، شہنشاہ فارس یزدگرد جو بلخ میں پناہ لیے ہوئے تھا یہیں سے خائب وخاسر ہوکر دریائے جیحون کے راستہ خاقان کی حکومت میں بھاگ نکلا، اور حضور ﷺ کے ایک بہادر سپاہی حضرت احنف کے ہاتھوں نیشاپور سے طخارستان تک اسلام کا علم لہرانے لگا یہیں حضرت احنف کے ۲۴ ہزار سربکف مجاہدین نے خاقان کے عزائم خاک میں ملادیئے اوراسے شکست فاش اٹھانی پڑی، قلمرو اسلام میں آنے کے بعد بلخ سامانی، غزنوی، سلجوقی اور صفاری سلاطین کی توجہات کا مرکز اور بسااوقات پایہ تخت رہا اور ایک زمانہ ایسا آیا کہ اس شہر میں ایک ہزار دینی دارالعلوم بارہ سو جامع مسجدیں اور بارہ سو حمام آباد تھے، علم وہنر، سیاست وحکمت، طب وفلسفہ، ادب وتصوف میں نابغہ روزگار شخصیتیں ان خطوں نے اسلام کو دیں اللہ کی طرف سے عیش وعشرت میں ڈوبی ہوئی قوموں کے لیے جو تازیانے مقرر ہیں، وقفہ وقفہ سے وہ بھی برستے رہے، اور بلخ بائیس ۲۲ ر مرتبہ بہت بڑی تباہی اور تخریب کا نشانہ بنا، یہاں تک کہ ۱۲۲۰ء بمطابق ۶۱۷ھ میں چنگیز خان کی فوجیں آئیں اور وحشت وبربریت میں تمام بربادیوں کو مات کر گئیں، آج یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مگراس کے اس پار بخارا اور سمرقند، خوارزم اور فرغانہ اس دور کی سرخ چنگیزیت کے پنجہ غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں ___ الغرض بلخ قبۃ الاسلام اور ام البلاد نے اسلام کے عہد عروج میں ایک مثالی کردار ادا کیا اوراس سرزمین کے کنارے دریائے آمو (جیحون) بہتا ہے جو آج اس سرخ چنگیزیت کے سامنے سراب کی مانند ایک لکیر بنی ہوئی ہے اوراس سے ذرا دور ہٹ کر وہ دریا بہتا ہے جسکا کبھی ماوراء النہر کے نام سے پوری اسلامی دنیا کے علم وحکمت کے ایوانوں میں غلغلہ رہا ہے یہاں کے علماء اور فقہاء اپنی فقاہت وحکمت اور علمی تبحر کے لحاظ سے عالم اسلام کیلئے ایک ممتاز مکتب فکر بن گئے تھے۔

اب ذرا چشم تصور سے دریا کے اس پار نگاہ دوڑایئے وہ سامنے بخارا اور سمرقند ہے، امام بخاریؒ کا مدفن جن کی کتاب

بخاری مسلمانوں کے ہاں اللہ کی کتاب کے بعد دوسرے نمبر پر ہے امام ترمذیؒ کی بستیاں صاحب ہدایہ ان علاقوں ہی میں فقہ کے دریا لنڈھاتے تھے یہاں سے حدیث اور فقہ کو تازگی اور زندگی ملتی رہی آج بھی ہماری گردنیں جن کے احسانات میں دبی ہوئی ہیں ہم نے جو کچھ پایا ان ہی علاقوں سے۔ یہ اسلام کے امین تھے مگر آہ! اب وہاں کیا ہے؟ اپنے جلیل القدر امام بخاریؒ کا مدفن، ترمذی کا مولد اور صاحب ہدایہ کا منشاء شاید وہاں کے باسیوں میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں ہم پردیسیوں کے تو وہاں نزدیک جانے سے بھی پَر جل جائیں گے، وتلک الایّام نداولھا بین الناس۔

تو بلخ کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر خوب آنسو بہائے اور سرخ سرحد کے اس پار اپنی عظمتوں کے مزار پر ایک نگاہ حسرت ڈالئے وہ دیکھیئے آج بخاریؒ اور ترمذیؒ کی سعید روحیں کتنی بے چین ہیں انکی نوجوان نسلوں کو شاید اسلام سے اتنا تعلق ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد مسلمان کہلاتے تھے بڑے بوڑھے اپنے ایمان کی دولت بچانے کی خاطر سب کچھ لٹ لٹا کر دوسرے ملکوں میں پناہ گزین ہو گئے اور زیادہ تر روسی استبداد کا نشانہ بن گئے۔ صد حیف کہ کیسی کیسی متاع بے بہا ہمارے ہاتھوں شامت اعمال کی وجہ سے لٹ گئی اور سرحد کے اس پار یہ بلخ ہے، یہ بھی تو اس وقت عہد ماضی کا ایک شکستہ ساز رہ گیا ہے یہاں کے باسیوں میں سے اکثر کو معلوم ہی نہیں کہ آج بھی اس کے گرداگرد اور اہم چوکوں کے قریب علم وحکمت کے کیسے کیسے خزانے مدفون ہیں، کبھی یہاں کے طاق وایوان قال اللہ اور قال الرسول سے گونجتے تھے اور اب زوال پذیر قوموں کی طرح اونگھتے ہوئے اپنی عظمت سے بے فکر باشندوں کی پناہ گاہیں بنی ہیں۔ کبھی ہر گلی مدرسہ تھا اور ہر گھر خانقاہ، اولیاء کا ہجوم اور ائمہ عصر اساطین علم وفقہ کا اژدحام، اور آج نہ کوئی مدرسہ ہے نہ خانقاہ نہ کوئی عالم معلوم نہ کسی استاد کا چرچا، اس لیے حال کی تلاش سے کیا فائدہ، ماضی کے تجسس میں نکل جایئے، قلب ونظر کی تسکین کا کچھ سامان شکستہ کھنڈرات ہی سے مل سکے گا، ماضی سے کٹے ہوئے حال نے تو بدحالی کے یہ دن دکھائے، تو دیکھیئے وہ شیخ الاسلام سلطان احمد خضرویہؒ کی ٹوٹی پھوٹی قبر ہے جو ۲۴۰ھ میں ابراہیم ادھمؒ، بایزید بسطامیؒ اور امام حاتم اصمؒ کے معاصر تھے، تصوف اور معرفت کی کتابیں ان کے حالات عالیہ کے ذکر سے لبریز ہیں۔ کرامت اور علو مرتبت کا یہ عالم کہ بسا اوقات جہاں قدم پڑتا وہاں سبزہ اگا دیتی مگر یہ کونسی بڑی بات ہے یہ لوگ تو مردہ دلوں کو حیات جاودانی بخشتے تھے، خاک انکی نظر سے کیمیا ہو جاتی تھی ذرا دائیں جانب ہٹ کران کی پاکباز رفیقہ حیات خاتون کا مزار ہے چاروں طرف دیواروں اور گنبد سے ڈھکا ہوا، اندر جانے کا راستہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ اس زمانہ کی خاتون تھیں جو عفت وحیاء، خوف خدا اور ایمان ویقین کا پیکر ہوا کرتی تھیں جاتے جاتے وصیت کر بیٹھیں کہ میری قبر کو چاروں طرف سے عمارت میں ڈھانک دیا جائے کہ بعد از مرگ کسی غیر محرم کو قبر پر بھی نگاہیں ڈالنے کا موقعہ نہ ملے، بیشک یہ ان مومنات قانتات میں سے ہوں گی جن کی پاکیزگیوں کو اللہ پاک نے قرآن میں سراہا ہے، وہ رونق محفل بننے والوں میں سے نہ تھیں، بلاشبہ اس زمانہ کی خواتین مرد سے مساوات کے قائل نہ تھیں مگر ایسی صفات کی بدولت اللہ انہیں نہ صرف مساوی بلکہ

سوئی لیے پانی میں ابھر آئیں ابراہیمؒ نے سونے پر نگاہِ حقارت ڈالتے ہوئے کہا مجھے اس کی کیا ضرورت اس متاع کی تو میرے ہاں فراوانی تھی مگر میں نے اسے سکون واطمینان اور وصال حقیقی کی لازوال دولت کے بدلے ٹھکرا دیا ہے اب مچھلیوں نے دوبارہ غوطہ لگایا اور ایک مچھلی منہ میں وہی سوئی لیے ہوئے ابراہیمؒ کے قدموں میں ڈال آئی اور اس طرح ابراہمؒ نے اپنی والدہ کو سمجھانا چاہا کہ اماں جان یہ سلطنت اچھی ہے یا توپ وتفنگ اور سیم وزر کے زور سے جو چند آدمیوں کے صرف جسموں پر قائم ہوتی ہے یہ تو قلوب کی حکمرانی ہے اور انسانوں پر ہی نہیں بلکہ حیوانات تک پر حاوی ہوتی ہے ایسے لوگوں کے لیے تو دریاؤں کی مچھلیاں، صحراؤں کے وحوش اور فضاؤں کے پرندے بھی دعا گو رہتے ہیں کہ ان کی دم خم سے تو اللہ کے نام کا چرچا اور ان کی رونق سے کائنات آباد رہتی ہے۔

روبدو کرد وبگفتش کا ے امیر ملک دل بہ یا چنیں ملک حقیر

ایں نشان ظاہرست ایں ہیچ نیست باطنی جوئی بظاہر برمایست

یہ ابراہیم ادہمؒ کا قصہ تھا بارہا اسکے سننے کا اتفاق ہوا مگر رات کی مجلس میں سنانے والا مثنوی مولانا روم کا ایک دلدادہ تھا، پڑھنے کا عجب انداز، ڈوب کر سنا رہا تھا، عجیب سوز وگداز، اور لکھنے والے مولائے روم۔ مثنوی نے جنھیں زندہ جاوید بنا دیا ہے اور جن کا پاکیزہ خمیر بلخ ہی کی سرزمین سے اٹھایا گیا، آباو اجداد اسی بلخ کے رہنے والے تھے صدیوں تک عقلیت والحاد کی بنیادوں پر کاری ضرب لگانے والا جلال الدینؒ ۶ رربیع الاول ۶۰۴ھ کو اسی شہر کے ایک خدا رسیدہ ذی اثر بزرگ محمد بہاؤ الدینؒ کے گھر میں پیدا ہوا۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی شان وشکوہ کی بے وقعتی اور راہ عشق میں ترک مال ووطن ورثے میں پایا تھا انکے والد بزرگوار کے اثر ورسوخ سے جب سلطان وقت خوارزم شاہ گھبرا گیا تو خزانوں کی کنجیاں بھی انکے قدموں میں ڈال دیں کہ دلوں کی حکمرانی تو تجھے حاصل ہے میرے پاس ان کنجیوں کے سوا رہ کیا گیا ہے؟ آپ نے جواب میں کہا ہم سرمستان بادہ الست کو ان چیزوں سے کیا سروکار، سلطنت بھی تجھے مبارک ہو اور خزانے بھی آپکو ناگوار ہے تو فقیر چلا جاتا ہے مگر جاتے جاتے خطرہ کا الارم دے گئے کہ میرے بعد لشکر تاتار آرہا ہے۔

الغرض اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر تاج وسلطنت کو حقیر سمجھنا اور حقیقی عشق تو مولانا رومؒ کو ورثے میں ملا تھا پھر ابراہیم ادہمؒ کے ذکر میں وہ کب صاحب قال رہے صاحب حال تھے نہ صرف اسی واقعہ کے بیان میں بلکہ ان کی مثنوی تو اول تا آخر مردہ قلوب کے لیے پیغام حیات ہے اور کیوں نہ ہو جب اس کا سرچشمہ وہ عشق آفرین طبیعت ہے جو اپنی پرجوش اور پرسوز حالت سے اس طرح پردہ اٹھاتے ہیں۔

شعلہا آخر زہر مویم و مید ازرگ اندیشہ ام آتش چکید

مقامِ عشق وبےخودی میں ہر بُن مو گویا ہے کہ

در جہاں یارب ندیم من کجاست نخل سینایم کلیم من کجا ست

اس آتش فشاں سے نکلے ہوئے شعلے تھے جنھوں نے صدیوں تک عقل پسندی، تجدد اور خرمن الحاد وظاہر پرستی کو خاک

مردوں سے بڑھا بھی دیتا تھا، ولیس الذکر کاالانثیٰ۔

شیخ الاسلام خضرویہؒ کے مزار سے ذرا جانب مشرق چلے جائیے، یہاں صالحین کے ایک جھرمٹ میں خواجہ ایوب انصارؒ آسودہ استراحت ہیں، یہ اپنے وقت کے ممتاز و معروف عالم و عارف خواجہ عبیداللہ انصارؒ کے والد ماجد ہیں، خود بھی بڑے ولی اور عارف کامل خواجہ عبیداللہ کا مزار ہرات میں ہے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب ہیں، اردگرد قبور کے نشانات ہیں، کچھ بوسیدہ کتنے جو پڑھے نہیں جاسکے مگر ہماری مجد و شرف کی کیا کیا نشانیاں خاک کے ان ڈھیروں میں پنہاں ہوں گی۔ اس خطہ صالحین سے ذرا آگے بڑھیں تو سڑک چھوڑ کر قاضی ابو مطیع بلخیؒ کے مزار پر حاضری دیں یہ اپنے وقت کے ممتاز عالم قانون اسلامی اور شریعت کے امام تھے، نام عبدالحکیم بن عبداللہ کنیت قاضی ابو مطیع، منظوم کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور قاضی ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے رفیق طریق تھے، تاریخ وفات اشعار میں ''جہانِ علم'' ۱۹۹ قمری ہجری لکھی ہے، اب ہمارا بردبار اور معمر تر کستانی قائد جسے مزار شریف کے متولی و خطیب اور وہاں کے دیگر علماء نے ہمارے ہمراہ کیا ہے، ہمیں فقیہ امت ابواللیث سمرقندیؒ کے مزار پر لے گیا، فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا یہ قابل فخر شاگرد نصر بن محمد بن احمد السمر قندیؒ فقہ حنفی کا اہم ستون ہے۔ اپنے وقت میں امام الہدیٰ کے لقب سے علمی دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا، فقہ حنفی اور دیگر علوم میں بیشمار کتابیں تصنیف کیں، کتب تذکرہ میں انکی کئی کتابوں، تنبیہ الغافلین، البستان، شرح الجامع الصغیر، النوازل والعیون والفتاویٰ، خزانۃ الفقہ، مقدمۃ فی الفقہ، تفسیر القرآن، فتاوی ابواللیث، وغیرہ کا ذکر ملتا ہے، علمی وفقہی حلقوں میں آج بھی ان کے فتاویٰ اور اقوال کی بازگشت سنائی دیتی ہے، شہر بلخ سے باہر ۳۷۶ھ مطابق ۹۸۵ء یا ۳۷۳ھ یا ۳۷۵ھ یا ۳۹۳ھ میں وفات پائی، ان کی علمی عظمتوں کے سامنے گردن سرنگوں ہوجاتی ہے اور آج بھی رہا سہا جو کچھ مسلمانوں کے پاس ہے ایسے ہی بزرگوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ مزار کے شکستہ تختہ پر بائیں جانب ایک اور قبر ہے جو کسی عالم اور حبر امت ہی کی ہوگی، مگر نام ونشان نامعلوم فقیہ ابواللیثؒ کے سرہانے کتبہ بھی گردش ایام کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اس پر دو ایک سطریں باقی ہیں جو مشکل سے پڑھی جاتی ہیں، اپنی عظمت رفتہ کے آثار کی حفاظت غیور قوموں کا شیوہ ہے مگر خدا معلوم افغانستان کی حکومت کبھی ان آثار کی حفاظت کی طرف توجہ دے بھی سکے گی یا نہیں، کلچر اور ثقافت کے جشنوں پر لاکھوں روپے اڑانے والی قومیں اپنی اصل تہذیب وتمدن کی بنیادوں کی طرف کم ہی متوجہ ہوا کرتی ہیں اور اپنے ماضی سے بے خبر ملکوں کے عجائب خانوں کی رونق فراعنہ کے آثار، گوتم بدھ کے نقوش اور کنشک کے گھسے پھٹے باقیات ہی سے ہوتی ہے، الغرض دونوں قبریں کھلے میدان میں اور بلخ کے اکثر مزارات کی طرح گوشہ گمنامی میں بدعات ورسوم سے دور مزار غریباں بنی ہوئی ہیں، اللہ کی شان جن لوگوں کی زندگی اتباع سنت کی تلقین ظواہر شریعت کی حفاظت اور بدعات ومنکرات سے جہاد میں گزری عموماً ان کی قبروں کو بھی اللہ نے ان خوبیوں سے محفوظ رکھا یہ ایک ایسا صلہ ہے کہ خالص اپنے رب کے ہونے والے بندوں کو دنیا میں بھی مل رہا ہے، ایک اور سمت

بنائے رکھا، اور مولانا روم کے الہامی نغمے تھے جن کی حرارت وشدت نے عالم اسلامی کے فکری تعطل اور جمود کو پگھلا کے رکھ دیا بہر حال مثنوی کیا ہے، محبت کا لافانی پیغام سوز وگداز اور جذب ومستی کی متاع اور ایمان وغیب کے لیے اپنے وقت کا ایک نیا علم الکلام، جس نے کتنوں کو راہ ہدایت دکھائی اور کتنوں کو منزل تک پہنچا کے چھوڑا، سچ کہا ہمارے فلسفی اور صاحب دل شاعر اقبالؒ نے کہ وہ بھی انہی لوگوں میں تھے جنہوں نے مثنوی سے نیا فکر نیا جوش اور نئی زندگی پائی۔

پیر رومی مرشد روشن ضمیر — کاروان عشق و مستی را امیر
نور قرآن درمیان سینہ اش — جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش
رومی آں عشق و محبت رادلیل — تشنہ کامان راکلامش سلسبیل

ایک پورے عہد کے لیے مجدد کا یہ تجدیدی کارنامہ آج بھی ہمارے پاس موجود ہے مگر وہ جنہیں اقبالؒ نے پیر رومی کو رفیق راہ بنانے کا مشورہ دیا تھا ان میں سے کتنے ہیں جنہیں اس کی خبر تک بھی نہیں ہے؟ جن کی ساری مجلس آرائی آرٹ، ثقافت، جنسیات، افسانوں اور فحش ڈراموں پر موقوف ہے انہیں مثنوی جیسے حیات آفرین پیغام سوز وگداز کی لذت کیا معلوم، مثنوی کی جگہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو نے لے لی، قلب ونظر کی تسکین مولائے روم کی جگہ شکسپیئر، ملٹن اور گوئٹے میں ڈھونڈی جانے لگی۔ ہمارے بزرگ مثنوی جیسے پاکیزہ علم وادب سے عقل وفلسفہ کی کدورتیں دور کرتے تھے آج ہم میکیاولی، ڈارون، فرائڈ کی ہلاکت گاہوں میں اپنی نگاہ وبصیرت ڈھونڈ رہے ہیں بیماریوں کے سرچشموں سے صحت کی تمنا مسلمان قوم کا شیوہ تو نہ تھا۔ یورپ کے دبستان سے دلوں کی سوز نگاہوں کی پاکی، فکر ونظر کی سلامت روی کی توقع رکھنا ایک ایسی بات جو اس وقت پورے عالم اسلام پر خندہ استہزا کر رہی ہے۔

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، ذکر ابراہیم ادہم کے والد ماجدؒ کے مزار پر حاضری کا ہو رہا تھا، مزار کے کھنڈرات کسی زمانہ میں عمارت کے حسن وشوکت کی غمازی کر رہے تھے اب صرف شکستہ طاق اور گنبد رہ گیا ہے، سامنے ایک قدیم اور بلند وبالا چنار کا درخت ہے جو ہماری عظمت رفتہ کی حسرتناک تصویر بنا نہ معلوم کب سے ''عہد رفتہ'' کو آواز دے رہا ہے، اور گویا مثنوی کے انداز میں نالہ کناں ہے۔ ۔

ايها النور فى الفواد تعال — غاية الوجد والمراد تعال
ايها السابق الذى سبقت — منک مصدوقة الوداد تعال

ایک طرف سے آواز آئی کہ

نشان لالہ ایں باغ ازکہ می پرسی — بروکہ آنچہ تودیدی بجز خیال نماند

رہرو نے چنار کے درخت سے گزرنے والوں کا کچھ حال دریافت کرنا چاہا کہ اتنے میں میر کے الفاظ میں۔

آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشان — مُشتِ غبارے کے صبا نے اڑا دیا

میں جائیے تو خواجہ عکاشہ کا مزار ہے کہنے والوں نے کہا کہ ابراہیم ادھمؒ کے والد بزرگوار ہیں، خواجہ آب کشاںؒ کے نام سے معروف ہیں خواجہ آب کشاںؒ ابراہیم ادہمؒ کے باپ ہوں یا نہ ہوں مگر اس سلطانِ دنیا و دین کو جسے اقلیم معرفت ابراہیم ادہمؒ کے نام سے جانتی ہے اسی علاقہ سے نسبت رہی وہ یہاں کے فرمانروا تھے۔

جب رات کو اپنی خوابگاہ کے اوپر کسی کی آہٹ سنی تو پوچھنے پر کسی نے کہا کہ چھت پر اپنا گم شدہ اونٹ دیکھ رہا ہوں، سلطان بلخ کو تعجب ہوا پوچھا کہ شاہی خوابگاہ کی چھت اور اونٹ؟ جواب میں ایک ملکوتی آواز آئی کہ ارے غافل! تو جب کمخواب اور اطلس کے زرین بستروں پر خدا کو ڈھونڈ رہا ہے تو چھت پر اونٹ کی تلاش تو اس سے کم تعجب خیز ہے، تیر نشان پر لگ گیا، ابراہیم گھائل ہو گئے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے تخت و تاج کو غیر فانی سلطنت، اقلیم عشق سے ٹکرا دیا اب دل کے آئینہ میں اپنی برزخی منزل نگاہوں کے سامنے تھی جس میں نہ کوئی مونس تھا نہ غمخوار، نہ لشکر و سپاہ کا ہنگامہ تھا، نہ دولت و سلطنت کی جاہ و جلال، سفر دور دراز درپیش مگر زادِ راہ معدوم، ایک عادل اور وقادر قاضی کی عدالت مگر نہ گواہ نہ وکیل پھر دنیا کی اس چند روزہ حکومت اور شوکت کی کیا وقعت رہ سکتی تھی مملکت خراسان کو خیر باد کہا، وسعت دل کی پہنائیوں میں گم ہو گئے، ملک نیم شب کی حلاوتوں کے سامنے ملک نیمروز کی سرابی لذتوں کی کیا نسبت، اور آج ابراہیم ادہمؒ ایک سلطان و امیر نہیں بلکہ عارفان طریقت کی نگاہوں میں سلطان دین، سیمرغ قاف یقین، گنج عالم عزلت، صدیق روزگار ہیں (عطارؒ) سونے چاندی کے خزانوں کو لات ماری، شیخ عراق جنید بغدادیؒ کی زبان میں مفتاح العلوم بن گئے اور علم حقیقی کے مخفی خزانوں کی کنجیاں ہاتھ آگئیں، اب قوت و جبروت سے لوگوں کے جسموں کو زیر نہیں کر رہے تھے مگر دلوں کی دنیا حکمرانی میں مل گئی۔

یہ عجیب اتفاق تھا کہ گزرنے والی رات کو مزار شریف میں ایک مجلس کے صدقے چشم تصور نے ابراہیم ادہم کا دور گویا محسوس ہوتے دیکھا، یہ مجلس عشاء کے بعد روضہ مبارک (منسوب بہ حضرت علیؓ کے قدموں میں متولی کے حجرہ خاص میں چند سراپا اخلاق و شرافت بزرگوں نے رات کے کھانے پر اپنے نووارد مہمانوں کے لیے منعقد کی تھی جس میں ایک بزرگ نے سراپا سوز آواز میں مولانا روم کی مثنوی کا وہی حصہ خاص لے میں سنایا جس کا تعلق ابراہیم ادہمؒ کی صحرانوردی سے تھا اور سرزمین پر قصہ زمین نے ایک خاص اثر پیدا کر دیا چند لحظوں کے لیے اردگرد سے بے خبر مسرور ہو کر عالم خیال میں اپنے آپ کو اس عہد شکوہ میں پایا کہ ابراہیم ادہمؒ گدڑی پہنے سوز الٰہی میں بادیہ پیمائی کر رہے ہیں، محبوب حقیقی کا یہ متلاشی بلخ کے قریب دریا جیحون کے کسی کنارے بیٹھا ہوگا کہ جدائی میں تڑپتی ماں یا بعض روایات کے مطابق دوست احباب تلاش کرتے وہاں پہنچے ماں نے ابراہیم کو اپنے فیصلہ پر سرزنش کی، ناز و نعمت اور امارت و شوکت کے مقابلہ میں اس فقر و غربت اور بے کسی پر افسوس کا اظہار کیا۔ ابراہیمؒ نے جو گدڑی کو پیوند لگا رہے تھے اپنی سوئی دریا میں ڈالدی اور پھر یکا یک ماں کے سامنے دریا کی مچھلیوں کو حکم دیا کہ مجھے سوئی چاہیے، ہزاروں مچھلیاں منہ میں سونے کی

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط و ترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انوار حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دنیا: کھیل تماشہ اور چند لمحوں کا خواب

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم وماھذہ الحیوۃ الدنیا الالھو ولعب وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون (عنکبوت۔ع۷)

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی ماسوائے کھیل اور تماشے کے کچھ نہیں اور اصل زندگی آخرت کی ہے (کاش) انہیں اس چیز کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔

عن سھل بن سعد قال قال علیہ الصلوۃ والسلام لوکانت الدنیا تعدل عنداللہ جناح بعوضۃ ماسقی کافرا منھا شربۃ ماء (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر دنیا کی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے برابر بھی ہوتی، تو اس پانی کا ایک گھونٹ بھی کافر کو نہ پلاتا۔

دنیا کھیل تماشا: محترم حضرات ذکر کردہ آیت وحدیث میں رب العالمین نے دنیا کی حقیقت کا ذکر فرمایا ہے فانی و عارضی ہونے کی حیثیت سے اس کی حقیقت دنیا کے کھیل و تماشا سے زیادہ نہیں جیسے یہاں کے کھیل و کود کا مزہ چند لمحوں تک محدود رہتا ہے۔ وہ ساعات ختم ہو کر نہ مزہ رہتا ہے نہ اس کا کوئی فائدہ۔ رب العالمین نے قرآن مجید میں عجیب و غریب انداز سے دنیا کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس کی بے رونقی، فانی اور تباہی کی مثال بارش اور اس سے پیدا ہو کر انسانی دل ودماغ کو متاثر کرنے والے باغ و بہار اور سرسبز و شادابی کی طرح ہے۔ بے آب و گیاہ بنجر زمین پر بادل سے بارش برس کر چند دن میں زمین کے اسی خشک ٹکڑے پر طرح طرح کے پھل میوے اناج و گھاس اور سبزے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خطے پر ایک عظیم الشان سبز قالین بچھا دیا گیا ہے۔ نہ صرف زمینوں کے مالکان بلکہ علاقہ کے تمام مرد و زن نہ صرف ان لہلہاتی فصلوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں بلکہ خوشیوں کی لہر اس پورے علاقے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتی ہے۔ نہ صرف انسانوں بلکہ چوپایوں کے کھانے اور بہترین معاش کے تمام اسباب مہیا ہونے کے آثار نمودار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ زمین سے پیدا ہونے والے ہزارہا انواع واقسام کی نعمتوں کے لئے وقت سے پہلے منصوبہ بندیاں کرنے میں اہل علاقہ مصروف ہو جاتے ہیں۔ خیالی تصورات، توقعات، آرزوؤں کی نہ ختم ہونے والی

فہرست میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

چند لمحوں کا خواب: ہم اور آپ اکثر اس کیفیت سے گزرتے رہتے ہیں کہ بارش وقت پر ہوچکی ہے' گندم بہت زیادہ ہوگی باغات میں میوہ جات کی فراوانی ہوگی' جانوروں کو قحط سالی کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔ فصلوں کی آمد سے کمائی اور آمدنی میں زیادتی ہوکر فلاں منصوبہ شروع کروں گا۔ محل و بنگلہ بناؤں گا۔ عیش وعشرت کے سامان خریدوں گا۔ (نہ انشاءاللہ کہنا اور نہ ان میں زکوٰۃ وصدقات کی ادائیگی کا ارادہ) بس ہوس سیم وزر اور محبت دنیا میں صرف دنیا ہی کے آرام وآسائش اور دوڑ میں سبقت حاصل کرنے کے ذوق وشوق کو اپنا مقصد اعظم اور ہدف بنا کر خوشیوں کے تازیانے بجنے شروع ہوجاتے ہیں کہ اچانک شدید ترین آندھی یا موٹے موٹے اولے یا جڑی بوٹیوں کی بیماری یا کیڑے نازل اور حملہ آور ہوجاتے ہیں کہ آنکھ کی جھپک میں غلہ تو کیا کہ درخت اور سبزوں کے پتے بھی نیست ونابود ہوجاتے ہیں' کچھ دیر پہلے جو ہر طرف تازگی' لہلہاتے درخت نظر آتے ہیں۔ سیکنڈوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس ٹکڑۂ ارضی پر کسی سبز اُگنے والے جڑی بوٹی کا نام ونشان ہی نہ تھا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے چند دن قبل زرخیزی اور فصلوں کی فراوانی تھی وہ ایک خیالی وہم تھا' حقیقت میں کچھ بھی نہ تھا۔ خواہشیں' امیدیں' اور منصوبے سب دم توڑ گئے۔ آدمی نیند میں کبھی کبھی خواب میں اپنے آپ کو شاہی تخت پر دیکھتا ہے۔ اردگرد ہزاروں خدم اور چشم مودبانہ انداز میں موجود رہتے ہیں۔ مگر جب آنکھ کھل جاتی ہے وہ اپنے آپ کو اسی پھٹے پرانے بستر پر پاتا ہے' نہ شاہی تخت ہوتا ہے نہ کروفر اور نہ بادشاہی۔ چند لمحوں کا خواب دنیا کا ایک کھیل کی مانند ہوتا ہے۔ جس کو نہ دوام ہے اور نہ اس کی خوشی کی کوئی حقیقت۔ گویا سرے سے اس کا وجود ہی نہ ہونے کے برابر تھا' یہی وجہ ہے کہ بارش کے برسنے اور فصلوں کے پیدا ہونے سے جس عشق ومحبت کو اس نے اپنا مطمح نظر بنایا اس کے ختم ہونے پر اس کی ساری امیدیں بھی خاک میں مل گئیں جس مقام پر بارش کے نزول سے پہلے کھڑا تھا اب پھر اسی جگہ پر کھڑا ہے۔

جب خواہشات کا محل دھڑام سے گر جاتا ہے: انسان شادی کرتا ہے پھر بچے کا انتظار' بچے کے پیدا ہونے پر اس کے جوان ہونے' بہترین معاش وملازمت کی طلب' پھر اس کے ذریعے لاکھوں کروڑوں روپوں کے آمد کی توقعات' دنیاوی زندگی میں عیش وعشرت کی تمناؤں کے پورا ہونے کی فرضی خیالی پلاؤ کے تصورات کہ اسی بچے کے اچانک فوت ہونے کی خبر مل جاتی ہے' کئی عشروں پر محیط ان فرضی تمناؤں پر قائم کردہ بے حقیقت کمزور بنیاد پر قائم مکان لمحہ بھر میں دھڑام سے گر کر سب کچھ تہس نہس ہوجاتا ہے۔ نہ بیٹا ہے' نہ اس کے ذریعے حاصل ہونے والے مال وزور کے ذریعہ دنیاوی عیش وعشرت کے دور کو حاصل کرنے کے تصورات۔

روح کی بیماریاں اور ان کا علاج: آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ سب کچھ ہم کیا کررہے ہیں۔ آج ہم سب اپنے بدنی بیماری کا رونا رو رہے ہیں۔ مگر بدنی بیماری سے خطرناک اور ایسی بیماری جن میں نہ کبھی راحت ہے اور نہ

سکون ورہ روح کی بیماری ہے جس کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے ہم سب غافل ہیں۔ بدنی بیماری میں وقتی تکلیف کے ساتھ بے شمار فوائد بھی ہیں اور روحانی امراض میں فائدہ کا تصور تک نہیں اذیت ہی اذیت ہے۔ سب سے بڑھ کر بیماری میں مبتلا وہ شخص ہے جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ اس کے تمام آئندہ ملنے والے دینوی خواہشات اسے ملنے سے پہلے چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے چاہنے والوں پر اللہ کے نیک بندے اس طرح رحم کرتے ہیں جس طرح ایک تندرست شخص کسی شدید بیماری میں مبتلا فرد کو دیکھ کر اس پر ترس اور رحم اور صحت کی دعائیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ دنیا کی محبت کینسر کی بیماری سے بھی بدترین بیماری ہے۔ اللہ والوں کو اندازہ ہوتا ہے۔ حب مال نہ صرف دنیا میں پریشانی اور سرکشی اور دین سے غفلت ہے بلکہ اس میں آخرت کے خسران کا عنصر بھی غالب ہے۔

آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا: سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابی موسیٰؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من احب دنیاہ اضرّ بآخرتہٖ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا مایبقی علی مایفنیٰ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا کو درست رکھتا ہے تو وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو شخص اپنی آخرت کو درست رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہونچاتا ہے۔ (اے مخاطب) تمہیں چاہیے کہ دنیا جو جلد ختم ہونے والی شی ہے اس پر آخرت جو باقی رہنے والی چیز ہے کو ترجیح دو

جب استغناء آجائے: اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اپنی دنیا کو دین کے حدود اور بتائے ہوئے راستوں کے بغیر حاصل کرنے اور محبوب و مطلوب بنانے کے درپے ہو اس میں اللہ اور رسول کی محبت اور اطاعت کا جذبہ مغلوب ہو کر سرد ہو جاتا ہے۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: **ان الانسان لیطغی ان رآہ استغنی :**

(ترجمہ) ''یقیناً انسان اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھتا ہے۔''

ویسے یہ اندازہ تو آپ حضرات کو بھی ہے کہ جب کسی مفلس کے پاس چند روپے آجاتے ہیں اپنے آپ کو ہر کسی سے اعلیٰ حتی کہ (نعوذ باللہ) پیدا کرنے والے اور یہی روپے دینے والے رب العالمین سے بھی بے پرواہی کی بدترین حرکت کا مرتکب ہو کر غرور' اللہ سے غفلت اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے یہی وہ کیفیت ہے جس کے بارے میں مرشد عالم ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنی آخرت کو نقصان پہونچاتا ہے' اس کے مقابلے میں وہ انسان جو زندگی کی تمام گھڑیاں امور آخرت کے شغل اور فکر میں گزارے۔ دینوی ہوس اور محبت سے پہلوتہی کرے تو یقین کریں کہ ایسے شخص نے اپنی دنیا کو جو بہت قلیل مدت پر محیط ہے کو نقصان پہونچا کر ابدی' سرمدی' نہ ختم ہونے والی زندگی یعنی آخرت کی فوز و فلاح کو حاصل کر لیا۔

دنیا کی وسعتیں: دنیا کی زندگی تو ایک چڑیا اگر سمندر سے ایک قطرہ پانی کا' چونچ میں لے' اس قطرہ کی جو نسبت سمندر سے ہے' آخرت کے مقابلہ میں چند روزہ فانی دنیا کی حقیقت اس سے بھی کم ہے۔ اس کی رعنائیاں' چمک دمک' چند روزہ ہے۔ اس کی عجیب فطرت ہے' جو اس پر فریفتہ ہو کر اس کے حاصل کرنے کیلئے اس کے پیچھے دوڑتا ہے' یہ اپنے طلبگاروں سے دور بھاگتی ہے اور جو اسے حقیر اور ذلیل سمجھ کر اس سے منہ موڑے خود بخود اس کے قدموں میں آ کر اس سے لپٹتی ہے' دنیا کے حصول کیلئے ناجائز دولت اور عیش و عشرت کا سامان اگر اس کے چاہنے والے کے پاس آیا بھی تو ہزار' پریشانیوں اور مشکلات کے ساتھ' کبھی حکومت کا خطرہ' ڈاکو اور لٹیرے کے خوف سے تو رات کا سکون و آرام غارت ہو جاتا ہے۔ فسق و فجور اسراف و بے حیائی وغیرہ گناہوں کا تو مال و دولت کیساتھ موجود ہونا کوئی نئی بات نہیں۔

دنیا مسافر خانہ ہے: اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا یہاں زندگی اس مسافر کی طرح گزارتا ہے جیسے اکوڑہ خٹک سے لاہور یا کراچی جانے والا راستے میں کسی سٹاپ یا ہوٹل میں چند لمحوں کے لئے اترے۔ ضروریات انسانی سے فارغ ہو کر فوراً وہاں سے چلتا ہے۔ یہ کبھی نہیں سوچتا کہ اس محدود اور مختصر اقامت گاہ میں عالیشان محل اور کمرہ جو ہر قسم کی آسائشوں پر مشتمل ہو بنایا جائے۔ نہ چور ڈاکو کا خوف اور نہ ذہنی پریشانی و بے چینی۔ اگر کسی عقل سے عاری فرد نے یہ ارادہ بھی کیا ہو تو جاہل آدمی بھی اسے نا سمجھ اور بے وقوف سمجھے گا کہ ارے کمبخت مختصر وقت گزارنے کے لئے ان لمبے چوڑے منصوبوں کا تمہیں فائدہ کیا حاصل ہوگا۔ یہ تو وہ دنیا ہے جس میں جو کمایا اس کا بھی آخرت میں حساب دینا ہے اور جس راہ میں خرچ کیا' پیسے پیسے کا مصرف بھی پیش کرنا ہے۔ ضرورت سے زیادہ تعمیر بھی اسراف میں شامل ہو کر اس کی سزا کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

ضرورت سے زائد تعمیر کا حکم: ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ النفقه کلها فی سبیل الله البناء فلا خیر فیه (رواہ الترمذی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ انسان اپنی ضروریات زندگی (جو جائز ہوں) پر جو کچھ خرچ کرتا ہے اس پر اسے اللہ ثواب دے گا۔ البتہ ضرورت اور حاجت سے زیادہ تعمیر پر خرچ کرنے میں کوئی ثواب اور خیر نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ فخر و مباہات اور نفس کو تسکین کے لئے نہ صرف تعمیر بلکہ تمام مواقع پر اخراجات کو اگر نادار' مسکین' فقیر' بیوہ' آسمان کے نیچے رہنے والے بغیر مکان' اپنے علاج سے عاجز مریض وغیرہ مستحق پر خرچ کیا جائے تو یہی عمل مالک حقیقی کے خوشنودی کا ذریعہ ہوگا۔

صبر و قناعت: انسانی حرص اور لمبی لمبی امیدیں آخرت کو بھول جانے کا سبب بنتی ہیں۔ پھر حرص کی وجہ سے نہ تو انسان میں قناعت باقی رہتی ہے اور نہ اس کی کبھی تمام خواہشات پوری ہوتی ہیں۔ عمر عزیز کا یہ مختصر عرصہ آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی اسباب کے حاصل کرنے میں صرف کر دیتا ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے اسلام کا یہ اہم تصور چھوڑ دیا ہے کہ

انسان کی تقدیر میں اس دنیا کے مال و متاع کا جو حصہ اللہ نے مقرر فرمادیا ہے وہ جیسے بھی ہو جہاں بھی اللہ ضرور میسر فرمائے گا۔اور جلد ختم ہونے والی زندگی کے ساز وسامان جو اکثر گمراہی اور معاصی کا سبب بن جاتے ہیں کے پیچھے جہد مسلسل میں لگے ہوئے ہیں۔صبر وقناعت جو کہ بے شمار گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھنے والی صفت ہے اپنے اندر پیدا کرنے کا کبھی اہتمام ہی نہیں کیا۔

حصول رزق میں اعتدال: جبکہ فرمودہ نبوی ﷺ ہے:

ان نفسا لن تموت حتی تسکمل رزقها الا فاتقوالله واجملو فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوه بمعاصی الله فانه لایدرک ماعندالله الا بطاعته (مشکوۃ شریف)

تحقیق ہر کوئی شخص (تب تک) نہیں مرسکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہیں کرتا۔پس اللہ جل جلالہ سے ڈرو۔اور رزق حاصل کرنے میں اعتدال کا دامن مت چھوڑو اور رزق کی دیری تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم لوگ گناہ کے ذریعہ رزق کو حاصل کرنے کی کوششیں شروع کردو۔اللہ کے ہاں جو کچھ ہے وہ (صرف) اطاعت اس کی فرمانبرداری سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دنیوی وسعتیں: رحمت عالم ﷺ کو ہماری جلد بازی اور بے صبری کا اندازہ تھا کہ رزق کی معمولی سی تنگی اور کمی ہمیں کہاں سے کہاں لے جاتی ہے ایسے وقت بعض لوگ زبان سے بھی ایسے کلمات نکالنے شروع کردیتے ہیں جو کبھی کبھی اسلام کے دائرہ سے نکلنے کا سبب بھی بن سکتے ہیں صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ جہاں سے جو کچھ ملا اس کو شیر مادر سمجھ کر استعمال میں لانا شروع کردیتے ہیں۔خدا وانسان کا خوف دل سے معدوم ہوجاتا ہے اور ہم میں کئی سادہ لوح ایسے مواقع پر اسلام کو مورد الزام ٹھہرانے میں جاہلانہ رویہ اختیار کرتے ہیں یہ تک کہہ جاتے ہیں کہ ہم سے کفار بہتر ہیں کہ ان کے پاس مال ودولت، دنیاوی لذت اور عیش وعشرت کے تمام اسباب موجود ہیں اور ہم محروم ہیں۔یہ انداز تکلم اختیار کرنے والا اس قسم کے مال دولت رکھنے والوں کے بارہ میں قرآنی تعلیمات فرمودات رسول ﷺ سے نابلد ہے یا وقتی لالچ اور حرص نے اس کی آنکھوں پر شیطانی پردے ڈال دیئے ہیں کہ جان بوجھ کر جہنم کے گڑھے میں داخل ہونے کی کوشش کررہا ہے۔غیر مسلموں کے اسباب عیش وعشرت ومال ودولت کے بارہ میں احکم الحاکمین کا فرمان سنئے:

فلما نسوا ماذکروابه فتحنا علیهم ابواب کل شئ حتی اذا فرحوا بما اوتو اخذنا هم بغتة فاذاهم مبلسون

ترجمہ: جب کافر اس وعظ کو بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز یعنی (دنیاوی نعمتوں) کے دروازے کھول دیئے یہاں تک جب وہ ان چیزوں پر خوشحال ہوئے جو ان کو دی گئی تھیں تو ہم نے ان کو اچانک ایسے عذاب میں گرفتار کرلیا کہ وہ انتہائی حیران وسرگرداں رہ گئے۔

استدراج: اسی طرح سردار دو عالم ارشاد ہے:

وعن عقبہ بن عامر عن النبی ﷺ قال اذا رأیت اللہ عزوجل یعطی العبد من الدنیا علی معاصیہ ما یحب فانما ھو استدراج الحدیث (رواہ احمد)

''حضرت عقبہ بن عامرؓ نبی کریم ﷺ کے روایت کرر ہے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب کسی بندہ کو دیکھو جسے باوجود فسق وفجور اس کی پسندیدہ چیزیں (یعنی جن اشیاء کی خواہش دنیا میں کرتا ہے) اللہ جل شانہ دیتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اس کی استدراج ہے۔''

گویا اللہ جل جلالہ ایسے لوگوں کو تدریجاً تمام تر دنیاوی رعنائیاں' دینوی مناصب' مال و دولت' اقتدار' عیش و عشرت کے تمام وسائل مہیا کر دیتا ہے جسے اپنے اوپر مالک وخالق کا کرم سمجھے' اس خرمستی میں منہمک ہو کر نہ کبھی توبہ کی توفیق' اور نہ گناہ چھوڑنے کا خیال دل میں آتا ہے اس ظاہری ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہونچنے کے بعد رب العالمین اچانک اسے نیچے پھینک کر گناہوں کے دلدل میں پھنسنے والوں کا جو انجام ہے' وہاں پہونچا دیتا ہے۔ دنیاوی اور خیالی تخت سے تختہ جہنم اس کا ٹھکانہ بن جاتا ہے۔ جس سے مالک الملک مجھے اور آپ سب کو محفوظ رکھے

دنیا کافر کیلئے جنت مومن کیلئے قید خانہ: کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلم یا غیر مسلم کے تمیز بغیر جب کسی ملک یا علاقہ پر آفت مثلاً زلزلہ' سیلاب' بیماری کی وباء' بھوک وافلاس کی کثرت یا اور مصائب آجاتے ہیں' تو غیر مسلم قومیں رفاہی اور انسانی بنیادوں پر بطور ہمدردی مختلف ذرائع سے امداد کرتی رہتی ہیں۔ اسے بھی ''حسنہ'' اور اچھے کام سے آنحضرتؐ نے تعبیر فرمایا ہے۔ اب مسلمان اگر نیکی کرے تو ارحم الراحمین اسے اس کا بدلہ دنیا وآخرت دونوں میں دیتا ہے۔ یہ بھی اس کے کریم ورحیم ہونے کے اوصاف جلیلہ کا تقاضا ہے۔ ورنہ دنیاوی حاکم تو اپنے ساتھ کئے گئے اچھے سلوک کا بدلہ بمشکل ایک دفعہ ہی دینے پر اکتفا کرتا ہے' کافر کی بعض انسانی بنیاد پر روار کھنے والی اچھائیاں آخرت میں تو بغیر ایمان کے اس کے کام نہیں آسکتیں نہ ثواب نہ اس کا وہ آخرت میں مستحق ہے۔ اس وجہ سے کافر کے وہ اعمال جو اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بن جاتے ہیں' اس کا بدلہ دنیا ہی میں عطا فرما دیتے ہیں۔ یہی حکمت سید الرسل ﷺ کے اس حدیث سے واضح ہو جاتی ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ ان اللہ لایظلم مؤمنا حسنۃ یعطی بھا فی الدنیا یجزیٰ بھا فی الآخرۃ واما الکافر فیطعم بحسنات ما عمل بھا للہ فی الدنیا حتی اذا افضیٰ الی الآخرۃ لم تکن لہ' حسنۃ یجزی بھا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مومن کی نیکی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اس کی نیکی کے سبب دنیا میں آسانیاں فراہم کردی جاتی ہیں اور آخرت میں بھی اجر وثواب دیا جائے گا اور کافر خدا کی خوشنودی

کے لئے جوفلاحی رفاہی کام کرتا ہے اس کو اس کے بدلے اس دنیا میں بھی (خوب) کھلا پلا دیا جاتا ہے۔

کافر کا مشن بابر بہ عیش کوش: محترم حضرات! غیر مسلموں نے اس دنیا کو ہی اپنا اصل مقصد حیات سمجھ کر اپنے اول و آخر کو اسی تک محدود کرنے کے بعد تمام عیاشیوں کو اسی زندگی کا مطمح نظر قرار دیا جبکہ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک لامحدود عالم اور ہے جہاں کی عیش حقیقی عیش ہے اور جہاں کی مصیبت بھی ختم ہونے والی نہیں۔ متقی اور خوف خدا کے عقیدہ کا حامل انسان تو اس دنیا کو اپنے لئے قید خانہ سمجھتا ہے البتہ کافر جس کا فلسفہ یہی ہے کہ موت کے بعد قصہ ختم' وہ دنیا کو اپنے لئے جنت سمجھ کر جو مطالبہ اس سے خواہش اور نفس کرتا ہے فوراً اس کے پورا کرنے میں تن من خرچ کر دیتا ہے۔ وہ شاعر کے اس قول کہ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کو اپنی زندگی کا فریم ورک بنا دیتا ہے۔ کسی مسلمان کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ دنیا میں کفار کی آسودگی اور مال و دولت کی بھرمار اللہ کی ان سے محبت اور قرب کا نتیجہ ہے' اگر دنیاوی دبدبہ اور آسائشیں عزت وعظمت کا سمبل ہوتیں تو جو لوگ اللہ کی وحدانیت اور آنحضرت ﷺ کی رسالت کے منکر ہوں' آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق پانی کا ایک قطرہ بھی ان کو پینے کے لئے نہ ملتا۔ نعمتیں تو تمام کی تمام مالک الملک کی ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ اس کے وجود کے انکاری کو انعامات واعزازات سے نوازا جاتا۔ خواہ مخواہ اس کو نعمتیں دینے میں منعم حقیقی کے کچھ رموز واسرار پنہا ہوں گے۔ جن میں سے بعض کا ذکر پہلے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔ شریعت میں دنیا کے کروفر کی کوئی حیثیت نہیں۔

دنیا کی قدر وقیمت: **عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ لو كانت الدنيا تعدل عندالله جناح بعوضة ماسقىٰ كافرامنها شربة** (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

حدیث کا ترجمہ خطبہ کے ابتداء میں ذکر کر دیا ہے جس کا مفہوم یہ کہ اللہ جل شانہ کی نظر میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں اگر مچھر کے پَر کے برابر بھی اس کی اہمیت ہوتی تو کفار کو ایک قطرہ آب یعنی ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتے۔

دنیا ایک مُردار لاشہ: محسن انسانیت ﷺ کے نزدیک دنیا کی قدر وقیمت کا اندازہ آپ اس واقعہ سے خوب معلوم کر سکتے ہیں دنیا کے' بے ثبات اور بے حیثیت ہونے کے لئے یہ فرمان مشعل زندگی ہے:

عن جابرؓ ان رسول الله ﷺ مَرّ بجدی اسک میت قال ایکم یحب ان هذا له' بدرهم فقالو مانحب انه' لنا بشیٔ قال فو الله للدنیا اهون علی الله من هذا علیکم (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ آنحضرت ﷺ کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے جس کے کان بھی کٹے یا چھوٹے تھے' کے پاس سے ہوا۔ فرمایا صحابہ سے کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اس مردہ بچے کو ایک درہم کے بدلے خرید لے۔ صحابہ نے عرض کیا ہم تو اسے کسی چیز کے عوض بھی خریدنا نہیں چاہتے۔ (حضور ﷺ امت اور صحابہ کو دنیا کی بے عظمت ہونے کی تعلیم دے رہے تھے) فرمایا ''اللہ کی قسم جس طرح تمہاری نظروں میں یہ دنیا ہیچ

ذلیل ہے۔ (اگر مفت بھی کوئی دینا چاہیے آپ لوگ لینے کے لئے آمادہ نہیں ہو)

دنیا کی لذات پر ہونے والے کا انجام: اس دنیا کی تمام لذات اور آرام وسکون پہونچانے والے اسباب و ذرائع اس مردہ اور بغیر کان بکری کے بچہ سے بھی کہیں زیادہ حقیر اور ذلیل ہیں۔ اگر اللہ کے نزدیک قدر و منزلت ہے تو آخرت کی ہے اور آخرت میں ان بڑے بڑے محلات، سونے و چاندی کے خزانوں، قیمتی موٹروں اور سواریوں میں پھرنے والے ایسے اغنیاء ورؤساء جن کا رہن سہن معاشرہ شریعت کے خلاف، دل ذکر اللہ وخوف آخرت سے خالی اور روز محشر حساب کتاب سے بے پرواہ ہوں، کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ قرآن کے الفاظ میں " **ان ھم الا کا الانعام بل ھم اضل** " کی حیثیت سے ان کو حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ایسے لوگ حیوانات بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ اللہ کے ہاں آسودگی کا دارومدار اس پر نہیں کہ بندہ دنیا میں اہل ثروت اور متمول لوگوں میں اپنے آپ کو شامل کردے۔ دنیاوی مال و دولت کو اسی دنیا میں رہنا ہے، کسی نے مرنے کے بعد اپنے ساتھ نہ ایک کوڑی قبر میں لے جانے کی خواہش کی اور نہ ساتھ لے جانے کا کوئی فائدہ ہے۔ یہ کرنسی اور مال و دولت تو ایسا سکہ ہے جن سے دنیا میں تو فائدہ حاصل ہوسکتا ہے مگر آخرت میں یہ سکہ بالکل کھوٹا ہے، جس کی وقعت مٹی کے برابر نہیں۔

آخرت کا سکہ:

آپ حضرات نے کئی دفعہ سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان سنا ہے کہ ہر مرنے والے کے ساتھ تین اشیاء قبر تک موجود رہتی ہیں۔ اس کے عزیز اقارب، مال اور اعمال، کسی عزیز نے کبھی اس خواہش کا اظہار نہیں کیا کہ مجھے اس میت کے ساتھ دفن ہونا ہے۔ اور نہ کسی نے میت کے ساتھ اس کے مال کو دفن کرنے کا تصور کیا ہے، بلکہ یہ دونوں چیزیں واپس آجاتی ہیں، میت کے ساتھ جس چیز کی موت کے بعد رفاقت ہوتی ہے وہ صرف اس کے اعمال ہیں۔ وہ رشتہ دار اور مال و دولت جن کے راضی رہنے اور حاصل کرنے کے لئے اس نے زندگی کے انتہائی قیمتی لمحات اور متاع عزیز کو انتہائی بیدردی سے ضائع کردیا۔ انہوں نے بھی سخت موقع پر منہ موڑا اور وہ اعمال حسنہ جن میں سے کچھ پر عمل کیا اور بعض سے غافل رہا وہی تیرے ساتھ قبر میں بھی ساتھی بن گئے۔

محترم حضرات میرے آج کے بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام ترک دنیا اور ترک خواہشات پر مبنی مذہب ہے بلکہ دین متین دنیا کے تمام علائق اور نعمتوں کو اسلام کے بتائے ہوئے سنہرے اصولوں پر چل کر استعمال اور حاصل کرنے کے مجموعہ کا نام ہے۔

ان شاء اللہ اس سلسلہ میں مزید گزارشات اگلے جمعہ کو عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ احکم الحاکمین مجھے اور آپ کو حب دنیا کی بیماری سے بچا کر اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق نصیب فرماویں۔

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی*

سر سید احمد خانؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
(کیا دونوں رفیق درس اور ایک استاد کے شاگرد تھے؟)

سر سید احمد خانؒ (۱۲۳۳-۱۳۱۶ھ/۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ/۱۸۳۲-۱۸۸۰ء) دو ایسی عظیم شخصیات ہیں، جن پر بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کو فخر ہے۔ دونوں نے ایک ہی مرکز علم (دہلی کالج) سے علمی سیرابی حاصل کی۔ لیکن آگے چل کر دونوں کے راستے جدا ہو گئے۔ ایک نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور تعلیم و ترقی کے لیے عصری علوم کا ادارہ علی گڑھ میں تو دوسرے نے دینی و مذہبی ادارہ دارالعلوم دیوبند میں قائم کیا۔ مقصد دونوں کا ایک ہی تھا کہ مسلمان تعلیم میں پچھڑ گئے ہیں، اس کی وجہ سے ان کی حالت گئی گذری سی ہو گئی ہے۔ رائج حکومت میں تو ان کی کوئی وقعت نہیں ہے، برادران وطن سے بھی وہ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ اسی کی تلافی کے لیے دونوں نے تعلیمی میدان کا انتخاب کیا اور مسلمانوں میں اسے رائج کرنے کے لیے اپنی پوری محنت اور بقیہ زندگی کا سارا حصہ اس میں صرف کر دیا۔ یہ بات بھی کافی حد تک درست ہے کہ کسی ایک ادارے سے اس کمی کا ازالہ آسان بھی نہ تھا۔ اس لیے دونوں کا میدان عمل مختلف ہو گیا۔

عام طور سے یہی مشہور ہے کہ دونوں نہ صرف ایک ہی استاذ کے دو شاگرد تھے بلکہ رفیق درس بھی تھے اور مولانا مملوک العلی نانوتویؒ (۱۲۰۴-۱۲۶۷ھ/۱۷۸۹-۱۸۵۱ء) کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ اس لیے ان کے مقاصد میں یکسانیت کا پیدا ہو جانا کوئی بعید نہیں۔ یہاں یہ وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ دہلی کالج میں جن لوگوں نے بھی تعلیم حاصل کی ان میں بیش تر ایسے ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے محاذ سے ناقابل فراموش کارنامے انجام دیے ہیں۔ اس کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ سوانح علمائے دیوبند کے مصنف ڈاکٹر نواز دیوبندی لکھتے ہیں:

''سر سید مرحوم و مغفور، مولانا قاسم صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، منشی ذکاء اللہ، مولانا محمد حسین آزاد، مسٹر پیارے

---

* رکن: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، دھوراعلی گڑھ ۲۰۲۰۰۲ (یوپی)

لال آشوب دہلی کالج کے تعلیم یافتہ تھے۔ مولانا قاسم صاحب نے دیوبند میں اور سرسید نے علی گڑھ میں مدرسہ وکالج قائم کیے۔ مسٹر پیارے لال آشوب، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حسین آزاد نے پنجاب میں وہ تعلیمی کارنامے انجام دیے ہیں جو حیات جاوید کے مالک ہیں۔''[۱]

جہاں تک ان لوگوں کے رفیق درس ہونے کا تعلق ہے تو میری ناقص معلومات میں براہ راست اس کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ البتہ آثار وقرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کوئی بعید نہیں کہ ان لوگوں نے کہیں نہ کہیں بیک وقت کسی بھی عالم دین کے سامنے تعلیمی مراحل طے کیے ہوں گے۔ یہ پیچیدگی اس وقت حل ہوجاتی جب مولانا الطاف حسین (۱۲۵۳-۱۳۳۳ھ/ ۱۸۳۷-۱۹۱۴ء) 'حیات جاوید' میں سرسید کی تعلیمی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے، مگر نہ معلوم کیوں انہوں نے سرسید کے اس اہم گوشے کو نظرانداز کردیا۔ تاہم انہوں نے سرسید کے حصول تعلیم کا جو حال بیان کیا ہے اس سے بہت کچھ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی سرسید کی ابتدائی تعلیمی مدارج کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بسم اللہ ہونے کے بعد سرسید نے قرآن پڑھنا شروع کیا، ان کی ننھیال میں قدیم سے کوئی نہ کوئی استانی نوکر رہتی تھی۔ سرسید نے استانی ہی سے جو ایک اشراف گھر کی پردہ نشیں بی بی تھی، سارا قرآن ناظرہ پڑھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ''میرا قرآن ختم ہونے پر ہدیہ کی مجلس جو زنانہ میں ہوتی تھی وہ اس قدر دلچسپ اور عجیب تھی کہ پھر کسی ایسی مجلس میں وہ کیفیت میں نے نہیں دیکھی'' قرآن پڑھنے کے بعد وہ باہر مکتب میں پڑھنے لگے۔ مولوی حمید الدین ایک ذی علم بزرگ آدمی ان کے نانا کے ہاں نوکر تھے، جنہوں نے ان کے ماموں کو پڑھایا تھا، ان سے معمولی کتابیں کریما، خالق باری، آمدنامہ وغیرہ پڑھیں۔ جب مولوی حمید کا انتقال ہوگیا تو اور لوگ پڑھانے پر نوکر ہوتے رہے۔ انہوں نے فارسی میں گلستاں، بوستاں اور ایسی ہی ایک آدھ اور کتاب سے زیادہ نہیں پڑھا، پھر عربی پڑھنی شروع کی، عربی میں شرح ملا، شرح تہذیب، میبذی، مختصر المعانی اور مطول 'ما انا قلت' تک پڑھی، مگر طالب علموں کی طرح نہیں بلکہ نہایت بے پروائی اور کم توجہی کے ساتھ۔ اس کے بعد ان کو اپنے خاندانی علم یعنی ریاضی پڑھنے کا شوق ہوا، جس میں ان کی ننھیال کے لوگ دلی میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے ماموں نواب زین العابدین خاں سے حساب کی معمولی درسی کتابیں: تحریر اقلیدس کے چند مقالے، ہیأت میں شرح چغمنی تک اور ایک آدھ رسالہ متوسطات کا (جو مجسطی سے پہلے پڑھائے جاتے ہیں) پڑھا، مگر تمام رسالے متوسطات کے نہیں پڑھے اور نہ مجسطی کے پڑھنے کی نوبت پہنچی، کیوں کہ آلات رصد کا زیادہ شوق ہوگیا تھا۔ چنانچہ آلات رصد برجندی اور چند رسالے مثل اعمال کرہ، اعمال اصطرلاب، رسالہ صنعت اصطرلاب، ربع مجیب، ربع مقنطر، ہلزدن، جریب الساعۃ، پرکار تقسیم، پرکار متناسبہ اپنے ماموں سے پڑھے۔ اسی زمانے میں طب پڑھنے کا شوق ہوگیا۔ حکیم غلام حیدر خاں سے جو ایک خاندانی حکیم تھے، طب کی ابتدائی کتابیں مثل

قانونچہ اور موجز وغیرہ پڑھنے کے بعد معالجات سدیدی، شرح اسباب اور نفیسی امراض عین تک پڑھی اور چند ماہ تک ان کے پاس مطب بھی کیا۔ پھر پڑھنا چھوڑ دیا۔ جب انہوں نے پڑھنا چھوڑا ہے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ انیس برس کی تھی۔ اس کے بعد بطور خود کتابوں کے مطالعے کا شوق برابر جاری رہا اور دلی میں جو اہل علم اور فارسی دانی میں نامآور تھے جیسے صہبائی، غالب اور آزردہ وغیرہ ان سے ملنے اور علمی مجلسوں میں بیٹھنے کا موقع ملتا رہا۔''۲۲

پوری کتاب میں سرسید کی ابتدائی تعلیمی مراحل کا یہی کل اثاثہ ملتا ہے، اس کی روشنی میں جس طرح اور جتنا چاہیں ان کی تعلیمی مصروفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مذکورہ اقتباس میں کئی باتیں ایسی ہیں جس پر کلام کیا جاسکتا ہے۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اتنی ضخیم سرسید کی سوانح عمری لکھی اور اس میں ان کی پوری زندگی اور ان کے ہر کام کو بڑے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جہاں چند جملوں میں ان کے بعض گوشوں کو اجاگر کیا جاسکتا تھا وہاں انہوں نے صفحات کے صفحات سیاہ کر دیے ہیں۔ لیکن سرسید کے اس ابتدائی گوشہ کو وہ کیوں نظر انداز کر گئے؟

قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ابتدائی درسی کتابیں مولوی حمید الدین سے پڑھیں، ان کے انتقال کے بعد اور لوگ پڑھانے پر مامور ہوئے۔ یہ کون لوگ تھے اور ان کے نام کیا تھے؟ اس کی وضاحت سے سرسید کے اساتذہ کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ گویا کہ غور و تحقیق کا گوشہ حالی نے جان بوجھ کر خالی چھوڑ دیا ہے۔

حالی سرسید کی تعلیمی زندگی کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا انہیں تعلیم میں کوئی خاص دلچسپی نہ تھی ،گھریلو دباؤ اور نظم وضبط کا خیال کر کے انہوں نے ادھوری تعلیم حاصل کی۔

سرسید نے جس طرح بھی تعلیم حاصل کی ہو، مگر انہوں نے وہی کتابیں پڑھیں جو اس وقت لوگ پڑھتے تھے، مگر حالی کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی خاص کتابیں نہیں پڑھیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جو کتابیں اور جس انداز سے سرسید نے پڑھی تھیں، اسی طریقہ سے آج بھی اور وہی کتابیں آج تک بعض مدارس میں طلبا کو پڑھائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حالی کے اس انداز بیان کی بے وقعتی ظاہر کرتے ہوئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا حالی نے جن ابتدائی درسی کتابوں کا ذکر کیا ہے وہی کتابیں حال حال تک روایاتی مدارس کے نصاب میں جاری وساری تھیں اور درسِ نظامیہ میں ان کی تعلیم سے بڑی پختہ استعداد پیدا ہوتی تھی۔ مشرقی ہند کے ہندوؤں میں عام طور پر اور کائستھوں میں خاص طور پر شیخ سعدی شیرازی کی گلستان اور بوستاں بڑی مقدس کتابیں سمجھی جاتی تھیں۔ ان کو بوجھ سمجھ کر پڑھنے والا پختہ استعداد کا مالک ہوتا تھا۔ نیز ان کتابوں کے ذریعے فارسی زبان مسلم طور پر نہ آتی ہو مگر عربی زبان کے قواعد صرف ونحو کو بذریعہ فارسی عبارت سمجھنے اور اس کے ذریعے عربی کے اسباق لینے کی اچھی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔ جیسا کہ حالی کے اس جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ ''پھر عربی پڑھنی شروع کردی'' یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ فارسی زبان کی تعلیم وتحصیل سے منشیانہ استعداد حاصل کرنی سرسید کا مقصود نہ تھا بلکہ زمانہ کے عام رواج کے مطابق

یہ ذریعہ تعلیم تھا۔" ۳

حالی کے مطابق سرسید نے جب روایتی تعلیم کو ترک کیا اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ گویا سن کے اعتبار سے یہ ۱۸۳۵ء کا زمانہ ہوگا۔ ان کے اگلے بیان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سرسید کے والد کا انتقال ۱۸۳۸ء میں ہوا، اس وقت سرسید کی عمر کچھ کم بائیس سال کی تھی۔ ۴ باپ کے انتقال کے بعد وہ تلاش معاش کے لیے نکلے اور اپنے خالو مولوی خلیل اللہ کے ساتھ کچہری میں کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ کام کے سلسلے میں دہلی سے نکل کر دوسری جگہوں پر بھی پہنچے۔ ۱۸ فروری ۱۸۴۶ء کو ان کا تبادلہ ان کی مرضی سے فتح پور سیکری سے دلی کے لیے ہوگیا۔ ۱۸۵۴ء تک وہ دہلی میں ہی سرکاری فرائض انجام دیتے رہے۔ جب دہلی آئے اس وقت ان کی عمر انتیس سال کی تھی۔ اسی زمانہ میں انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد اپنی شہرآفاق کتاب 'آثار الصنادید' لکھی۔

سرسید کا قیام دہلی میں آٹھ سال رہا۔ اس مدت میں انہوں نے سرکاری فرائض انجام دینے کے ساتھ پڑھنے کا بھی شغل جاری رکھا۔ بقول مولانا الطاف حسین حالی:

"یہاں آکر ان کو یہ خیال ہوا کہ جو کتابیں ابتدا میں نہایت کم توجہی اور بے پروائی سے پڑھی تھیں اور اب بالکل نسیا منسیا ہوگئی تھیں، ان کو از سر نو غور اور توجہ سے پڑھیے۔ مولوی نوازش علی مرحوم جو دلی میں مشہور واعظ تھے اور تمام درسی کتابیں پڑھاتے تھے ان سے کچھ پچھلی پڑھائی کو تازہ کیا اور کچھ فقہ میں مثل قدوری، شرح وقایہ اور اصول فقہ میں شاشی، نورالانوار اور ایک آدھ اور کتابیں پڑھی۔ مولوی فیض الحسن مرحوم سے مقامات حریری کے چند مقامے اور سبعہ معلقہ کے چند قصیدے پڑھے اور مولانا مخصوص اللہ سے جو شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ رفیع الدین کے خلف الصدق تھے حدیث پڑھنی شروع کی۔ مشکوۃ اور ایک حصہ جامع ترمذی کا اور کسی قدر اجزا صحیح مسلم کے پڑھے اور پھر قرآن مجید کی سند لی۔ بس اس سے زیادہ جیسا کہ سرسید خود اقرار کرتے تھے استاد سے انہوں نے کچھ نہیں پڑھا۔" ۵

یہ بات گزر چکی ہے کہ ابتدائی دور میں تعلیم کی تکمیل یا ترک کرنے کے بعد سرسید ذاتی طور پر مطالعہ کرتے رہے۔ اسی دوران غالب (۱۲۱۱-۱۲۸۵ھ/۱۷۹۶-۱۸۶۹ء)، صہبائی (م ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء) اور آزردہ (م ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ حالی کے دوسرے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی آنے کے بعد انہوں نے اعلی کتابیں مولوی نوازش علی، مولوی فیض الحسن سہارنپوری (۱۲۳۲-۱۳۰۵ھ/۱۸۱۶-۱۸۸۷ء) اور مولانا مخصوص اللہ سے پڑھیں۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سرسید احمد خاں براہ راست رفیق درس تھے یا بالواسطہ۔ لیکن یہاں پر یہ بھی عرض کرنا مناسب ہے کہ مولانا حالی نے اپنی پوری کتاب میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ سرسید نے دہلی کالج کے ممتاز استاذ مولانا مملوک العلی نانوتوی سے بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ حالاں کہ بعض دوسرے مستند بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا مملوک العلی بھی سرسید کے اساتذہ میں سے تھے۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ 'حیات

جاوید' میں دوسرے بہت سے علماء اور دوسرے لوگوں کا کہیں اشارۃً تو کہیں قدرے تفصیل سے ذکر ملتا ہے، جب کہ مولانا مملوک علی جو اس وقت کے کبار علماء میں شامل تھے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ تعجب ہے کہ پروفیسر افتخار عالم نے بھی سرسید کی سوانح عمری مونوگراف کے علاوہ 'سرسید: درون خانہ' جدید اسلوب میں تالیف کی ہے، جو چھپ بھی گئی ہے۔ پوری کتاب پہلے ماہنامہ 'تہذیب الاخلاق' میں قسط وار شائع ہوئی ہے۔ اس میں بھی سرسید کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اب تک پروفیسر صاحب سرسید کے مختلف گوشوں پر مضامین لکھ رہے ہیں۔ اس میں کوئی مضمون ایسا نظر سے نہیں گزرا جس میں سرسید کی تعلیمی زندگی اور ان کے اساتذہ کا ذکر کیا گیا ہو۔ ضرورت یہ ہے کہ ان کی توجہ اس جانب بھی مبذول ہو اور ان کے قلم سے اس تعلق سے کوئی تحقیقی مضمون منظر اشاعت ہو۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی سرسید احمد خاں سے عمر میں لگ بھگ ۱۵ سال چھوٹے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں ہوئی۔ مولانا مملوک علی نانوتوی مولانا محمد قاسم نانوتوی کے قریبی رشتہ دار تھے، وہ آپ کو اپنے ہمراہ دہلی ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے لے گئے۔ یہاں کی تعلیمی زندگی اور سرگرمیوں کی تفصیل اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

''مولانا محمد قاسم نے آٹھ سال تک مولانا مملوک علی سے کالج کے فارغ اوقات میں ان کے گھر پر تعلیم پائی اور ایک سال دلی کالج میں علم ریاضی کی تحصیل میں گزارا۔ علم حدیث کے لیے وہ شاہ عبدالغنی مجددی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے زمانے کے باجمال محدث تھے اور جن کا سلسلہ سند حدیث شاہ محمد اسحٰق کے واسطے سے شاہ ولی اللہ تک منتہی ہوتا ہے۔ اس زمانے میں مفتی صدرالدین آزردہ دہلی کی علمی، ادبی اور مجلسی زندگی کی روح رواں تھے۔ مولانا محمد قاسم نے ان سے بھی کسب فیض کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے حاجی امداد اللہؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور عمر بھر ان کی محبت وعقیدت سے سرشار رہے۔'' ۶

سوانح قاسمی کے مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی بھی لکھتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی صرف ایک سال ہی دہلی کالج کے طالب علم رہے۔ کالج میں ایک سال کی شرکت کیوں ہوئی، اس کی مصلحت بیان کرتے ہوئے مولانا رقم طراز ہیں:

''سرکاری عربی کالج میں مولانا نانوتوی کے نام کی شرکت دلی کی تعلیمی زندگی کے صرف ایک سال تک محدود ہے اور یہ ایک سال بھی آپ کا اسم مبارک کالج کے باضابطہ رجسٹر میں شریک رہا۔ غالباً اس وقت کا واقعہ ہے جب عام تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ غالباً آئندہ معاشی زندگی کی سہولتوں کا خیال کر کے شفیق استاد نے مشورہ دیا کہ سرکاری سند حاصل کرلو تو مناسب ہوگا۔'' ۷

اس کے برعکس دہلی کالج میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے قیام کی مدت مولانا اسیر ادروی نے پانچ سال قرار

دی ہے۔۸ جب کہ بعض دوسرے حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا نے بغرض تعلیم آٹھ سال دہلی میں قیام کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے دہلی کالج میں ان کے قیام کے زمانہ کو ہی شمار کر کے ان کے یہاں ٹھہرنے کی کل مدت ۸رسال قرار دیا ہو، حالاں کہ مولانا نے دہلی کالج سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد شاہ عبدالغنی مجددی محدث (۱۲۳۴-۱۲۹۶ھ/۱۸۱۹-۱۸۷۸ء) سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی۔ بہر حال ان کے بیان سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ان کی تعلیم کا سارا انحصار مولانا مملوک علی کی ذات سے وابستہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''جس سال حضرت نانوتوی کالج میں داخل ہوئے اسی سال کالج کے نصاب میں ایک اہم تبدیلی کی گئی۔ انگریزی اور عربی کے دو مختلف شعبے تھے۔ دونوں کا الگ الگ نصاب تھا۔ ان دونوں شعبوں کو ملا کر ایک نصاب مرتب کر کے دونوں شعبوں میں جاری کر دیا گیا، پہلے عربی پڑھنے والے طلباء اسلامی علوم وفنون پڑھتے تھے، جدید علوم ان کے نصاب میں شامل نہیں تھے۔ اب عربی پڑھنے والے طلباء کو بھی حساب، جغرافیہ، جیومیٹری، الجبرا، نیچرل فلسفہ، تاریخ ہند، پولیٹکل اکانومی (معاشیات) وغیرہ کا پڑھنا بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ اسی سال یہ نصاب جاری ہوا تھا، اس لیے خالص مشرقی علوم پڑھنے والے طلباء کا رجوع مولانا مملوک علی صاحب کے گھر کی تعلیم کی طرف زیادہ ہوا۔ مگر حضرت نانوتوی کا نام کالج میں لکھا ہوا تھا، اس لیے جملہ نصاب کی کتابوں میں شامل ہونا ضروری تھا ورنہ غیر حاضری متصور ہوتی۔ مگر حضرت نانوتوی باضابطہ جدید علوم کی کلاسوں میں شامل نہیں ہوتے تھے۔ بہ ظاہر یہ بات قابل قیاس معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ شبہ خود ختم ہو جاتا ہے کہ کالج میں داخل بھی ہوں اور نصاب مکمل نہ کریں۔ امتحان تو پورے نصاب میں لیا جائے گا۔ ان کے استاد نے یہ بندوبست کر دیا کہ مولانا مملوک علی صاحب پرنسپل (سربراہ شعبہ) تھے انہوں نے ایسا نظم کر دیا کہ کلاس میں حاضری ضروری نہ ہو۔ آپ نے ریاضی کے ماسٹر کو بلا کر کہا کہ کلاس میں ان کی غیر حاضری پر ایکشن نہ لیں، میں ان کو خود پڑھالوں گا، اس طرح آپ کا نام کالج میں داخل تھا، مگر بیشتر تعلیم گھر پر ہوتی تھی، کالج میں حاضری بھی دیتے تھے۔''۹

۱۸۴۴ء میں مولانا قاسم نانوتوی دہلی آئے۔ ۸ریا ۹رسال تک مولانا مملوک علی سے اور دہلی کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ سرسید احمد خاں ۱۸۴۶ء میں دہلی میں وارد ہوئے اور یہ بھی تقریباً نو سال یا اس سے کچھ کم دہلی میں رہے اور اسوقت انہوں نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں مولانا نوازش علی کے علاوہ مولانا فیض الحسن سہارن پوری بھی ہیں۔ یہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (۱۲۳۳-۱۳۱۰ھ/ ۱۸۱۸-۱۸۹۲ء) کے ہاتھ پر بیعت تھے۔۱۰ مولانا کے فضل وکمال کا تذکرہ علامہ سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔۱۱ انہیں سرسید غازی پور میں سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام کے بعد مترجم کی حیثیت سے لے گئے۔ انہوں نے کافی دنوں تک یہ خدمت انجام دی۔ پھر یہ لاہور تشریف لے گئے اور اورینٹل کالج کے شعبہ عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔۱۲ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی

حاجی امداد اللہ صاحب سے نہ صرف ارادت ثابت ہے بلکہ انکی حیثیت رفیق کی بھی تھی۔

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''یہاں (ہندوستان) آکر آپ نے تلقین وہدایت شروع کی اور مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا یعقوب نانوتوی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور دوسری برگزیدہ ہستیاں آپ کے حلقہ بیعت میں داخل ہوئیں۔'' ۱۳

مولانا فیض الحسن اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کو پیر بھائی قرار دیتے ہوئے پرفیسر ظفر الاسلام اصلاحی لکھتے ہیں:

''بانی دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی سے ان کے بڑے گہرے مراسم تھے، دونوں پیر بھائی تھے، تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد دہلی میں درس وتدریس میں مصروف ہوئے یہاں ان سے مستفید ہونے والوں میں سرسید بھی شامل تھے۔'' ۱۴

مولانا حالی نے سرسید کے اساتذہ میں مولانا نوازش علی مرحوم کا نام لیا ہے۔ خود مولانا حالی نے بھی ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ۱۵ ان کا شمار دہلی کے معروف اساتذہ میں ہوتا تھا اور ان کا درس بھی بہت مقبول تھا، ان کے درس میں طلبا کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

''جس زمانہ میں سرسید مولوی نوازش علی مرحوم سے دلی میں پڑھتے تھے میر محمد مرحوم امام جامع مسجد دہلی بھی ان کے ساتھ پڑھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب سید صاحب چند روز کے لیے قائم مقام صدر امین مقرر ہوکر رہتک جانے لگے تو انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ بھی رہتک چلئے۔ مولوی صاحب ہنسنے لگے اور کہا کہ میں بھلا کیوں کر جاسکتا ہوں؟ ایک جماعت کثیر طلبہ کی مجھ سے پڑھتی ہے، ان کو کس پر چھوڑ جاؤں؟ انہوں نے کہا سب طلبا کو بھی ساتھ لے چلئے۔ مولوی صاحب کو اور زیادہ تعجب ہوا کہ اتنے طالب علم کھائیں گے کہاں سے؟ سید صاحب نے کہا آپ ان کے کھانے پینے کا تو فکر کیجئے نہیں، خدا رازق ہے۔ لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ اگر آپ نہ چلیں گے تو میں رہتک جانے سے انکار کردوں گا اور اس سے میری آئندہ ترقی رک جائے گی۔ آخر مولوی صاحب کو اس کے سوا کچھ بن نہ آیا کہ وہ مع طالب علموں کی جماعت کے ان کے ساتھ ہولیے اور جب تک رہتک رہنا ہوا سب خرچ سید صاحب کے ذمہ رہا۔'' ۱۶

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولوی نوازش علی کا قیام رہتک میں زیادہ دن تک نہ رہا۔ جب سرسید کا کام وہاں پورا ہوگیا اور وہ دہلی آگئے تو مولانا نے بھی دہلی میں اپنی سابقہ جگہ پر آکر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا ہوگا۔

مولانا نوازش علی کو سرسید اپنے ساتھ رہتک لے گئے تاکہ وہ ان کتابوں کو ان سے پڑھ لیں جو اب تک نہیں پڑھی تھیں۔ انہیں ان کے مختصر قیام کا پورا اندازہ تھا، اسی لیے وہ بڑی محنت اور پابندی سے پڑھا کرتے تھے۔ یہاں کی تعلیمی محنت اور جفاکشی کا ذکر کرتے ہوئے سرسید کے سوانح نگار یہ بھی لکھتے ہیں:

''سید میر محمد مرحوم امام جامع مسجد دہلی بیان کرتے تھے کہ جس زمانہ میں سید صاحب رہتک بدل کر گئے ہیں،

میں بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔ وہ صبح سے دس بجے تک مولوی نوازش علی صاحب سے جن کو دلی سے ہمراہ لے گئے تھے، سبق پڑھتے تھے۔ بیس بیس بائیس بائیس صفحے شرح جامی اور قطبی کے وہ ہر روز پڑھ لیتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ پڑھنے کے لیے گیا تھا، مگر اس رفتار سے ان کے ساتھ نہ چل سکا اور واپس دلی چلا آیا۔''۱۷

مولانا نوازش علی کا گھر، ان کی مسجد اور مولانا مملوک علی نانوتوی کا گھر کوچہ چیلان میں قریب قریب تھا۔۱۸ یہیں مولانا قاسم نانوتوی نے لگ بھگ نو سال قیام کیا تھا۔ مولانا قاسم نانوتوی جب دہلی آئے تو مولانا نوازش علی کی درس گاہ میں بھی جایا کرتے تھے اور وہاں ان کا دوسرے طالب علموں سے بحث ومباحثہ ہوا کرتا تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رفیق درس مولانا یعقوب نانوتوی (۱۲۴۹-۱۳۰۳ھ/۱۸۳۴-۱۸۸۶ء) ان کی درس گاہ میں مولانا نانوتوی کی شرکت اور وہاں کے بحث ومباحثہ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا تھا، ان سے پوچھ پاچھ اور بحث شروع ہوئی، مولوی صاحب کی جب باری آئی سب پر غالب آئے اور جب گفتگو ہوتی اس میں مولوی صاحب کا غلبہ ہوتا۔ بلکہ ہم میں سے جو کوئی مغلوب معلوم ہوتا، مولوی صاحب سے مدد چاہتا یا خود مولوی صاحب اس کو مدد دیتے۔ پھر تو مولوی صاحب ایسا چلے کہ کسی کو ساتھ ہونے کی گنجائش نہ رہی......والد مرحوم نے مولوی صاحب کو مدرسہ عربی سرکاری میں داخل کیا اور مدرس ریاضی کو فرمایا کہ ان کے حال سے معترض نہ ہوجیو، میں ان کو خود پڑھالوں گا اور فرمایا کہ تم اقلیدس خود دیکھ لو اور قواعد حساب کی مشق کرلو۔''۱۹

مولانا محمد سلمان منصور پوری کی صراحت کے مطابق مفتی صدرالدین آزردہ کے تلامذہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء)، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، مولانا ذوالفقار دیوبندی (م۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء)، مولانا منیر نانوتوی (م۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء)، مولانا مظہر نانوتوی (م۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء)، نواب صدیق حسن خاں (۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ/۱۸۳۲-۱۸۸۹ء) اور سر سید جیسے مشاہیر شامل ہیں۔۲۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے حوالے سے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے ان سے علمی استفادہ کیا تھا۔ مولانا سید محمد میاں بڑے واضح انداز میں لکھتے ہیں:

''حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی اور امام ربانی حضرت گنگوہی کے دوسرے استاد مفتی صدرالدین صاحب تھے، جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مشہور ومعروف تلمیذ اور اس خاندان کے خاص عقیدت مندوں میں تھے۔''۲۱

مفتی صدرالدین سے علمی استفادہ کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی ملاقات کا ایک واقعہ 'تذکرۃ الرشید' میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''حضرت گنگوہی فراغت کے کئی سال بعد اپنے اساتذہ سے ملاقات کے لیے دہلی تشریف لے گئے، اسی

سلسلہ میں حضرت مفتی صدرالدین صاحب نے دریافت فرمایا کہ میاں قاسم کیا کرتے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ ایک مطبع میں تصحیح کا کام کرتے ہیں، دس بارہ روپے تنخواہ ہے ،تو مفتی صاحب نے ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''قاسم اتنا سستا، اتنا سستا؟'' ۲۲

مفتی صاحب کے تاسف سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو بہت قریب سے جانتے تھے اور ان کی ذہانت اور علمی استعداد وقابلیت کا پہلے سے اندازہ تھا جو انہیں درس کے دوران ہی ہوا ہوگا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مفتی صدرالدین صاحب سے کون کون سی کتابیں پڑھیں اس کا پتہ نہیں چلتا، لیکن مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی، میں جو تفصیلات درج کی ہیں ان سے مترشح ہوتا ہے کہ امام نانوتوی کی ذہانت کے وہ قائل تھے ،مگر اسی بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا والہانہ تعلق ایک امتحان کے بعد مفتی صدرالدین آزردہ سے قائم ہوا ہوگا۔ غالباً اسی امتحان سے ہی مفتی صدرالدین ان کے علمی استعداد کے معترف ہوئے ہوں گے ،مگر یہ بیان بھی محل غور ہے ،انہوں نے بالواسطہ ان سے اکتساب علم کیا ہوگا۔ مولانا مناظر احسن گیلانی 'ارواح ثلاثۂ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''علوم عربیہ کے ممتحن مفتی صدرالدین صاحب ہوئے اور مولانا (محمد قاسم) کا صدرا کا امتحان ان کے پاس گیا۔ انہوں نے کوئی جگہ پڑھوائی ،مولانا کے ذہن میں اس کا مطلب نہ تھا، کیوں کہ وہ جگہ کبھی دیکھی بھالی نہ تھی تو اس پر تقریر کی اور خود جان رہے تھے کہ کتاب کا یہ مقصد نہیں۔ مفتی صاحب نے اس پر اعتراض کیے تو مولانا نے مفتی صاحب کو ان ہی تقریروں میں الجھادیا، لیکن اس پر غور کرتے رہے کہ مطلب کیا ہے ، بالآخر اک دم ذہن میں عبارت کا صحیح مطلب آ گیا تو فرمایا کہ مفتی صاحب آپ پوچھنا کیا چاہتے ہیں، انہوں نے فرمایا 'یہ بات' فرمایا کہ لاحول ولاقوۃ اس بات کا جواب تو یہ ہے میں کچھ اور سمجھ رہا تھا۔ مفتی صاحب نے کہا ہاں یہی پوچھ رہا تھا۔'' ۲۳

مفتی آزردہ سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شاگردی کی یہ دلیل سر سید احمد خاں کے استاذ بھائی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ پھر مولانا حالی نے بھی لکھا ہے کہ مفتی آزردہ سے سر سید احمد خاں نے علمی استفادہ کیا تھا۔ بحث اس سے نہیں ہے کہ دونوں نے مفتی آزردہ سے یا مولانا مملوک علی سے تعلیم حاصل کی دہلی کالج میں یا پھر ان کے ذاتی مکان پر۔ اسی طرح مولانا نوازش علی سے مولانا محمد قاسم نانوتوی نے علمی فیض حاصل کیا کہ نہیں۔ بعض بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا نوازش کے شاگردوں سے مولانا محمد قاسم سے علمی مجادلہ ہوتا رہتا تھا اور یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ چونکہ مولانا قاسم ان کی مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے تھے ،اس لیے کبھی کبھار ان سے استفادہ کیا ہو۔ ہوسکتا ہے اسی دوران سر سید احمد خاں بھی وہاں آتے ہوں۔

مولانا مملوک علی نانوتوی دہلی کے معروف اساتذہ میں سے تھے ۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے ان سے

استفادہ کیا۔وہ دہلی کالج کے استاد تو تھے ہی، کالج کے اوقات کے علاوہ اپنے گھر پر بھی طلبا کو پڑھایا کرتے تھے۔نہ معلوم کیوں حالی نے سر سید کے اساتذہ میں ان کو شامل نہیں کیا۔بعض دوسرے تذکرہ نویس نے دونوں کے درمیان استاد اور شاگردی کا رشتہ ثابت کیا ہے۔شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

''۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۵ء تک جب وہ دہلی منصفی پر مامور تھے، انہوں نے تحصیل علم میں زیادہ ترقی کی۔اس زمانہ میں سر سید نے جن بزرگوں سے فیض حاصل کیا، ان میں امام الہند شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ، شاہ عبدالعزیز کے جانشین محمد اسحٰق اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے استاد اور محسن مولانا مملوک علی نانوتوی کے نام لیے جاتے ہیں۔''[۲۴]

ایک دوسری بحث کے تحت شیخ محمد اکرام یہ بھی لکھتے ہیں:

''وہ مرحوم (مولانا مملوک علی نانوتوی) دہلی کالج میں مدرس ہو گئے تھے اور جن بزرگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی ان میں سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج، مولانا قاسم بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست دارالعلوم دیوبند، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری اور ان کے اپنے صاحب زادے مولانا یعقوب نانوتوی جیسے صاحب علم و فضل شامل ہیں۔''[۲۵]

مولانا مملوک علی نانوتوی ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لئے دہلی پہنچے۔یہاں انہوں نے دہلی کے اساتذہ سے تعلق قائم کیا، مگر بعض وجوہ سے ایک آدھ سبق پڑھانے کے بعد کوئی بھی استاد ان کو اپنی شاگردی میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔اس پریشانی اور ملول کے عالم میں شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچے اور اپنی پریشانی بیان کی:

''تحصیل علم کے شوق میں وطن چھوڑ کر آیا ہوں اور کیفیت یہ ہے کہ جس استاذ سے پڑھنا شروع کرتا ہوں وہ ایک سبق کے بعد پڑھانے کا نام نہیں لیتا۔شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا کل آنا۔مولانا اگلے دن حاضر ہوئے، شاہ صاحب نے ہدایۃ النحو کا سبق پڑھا دیا اور فرمایا: جاؤ اب جس استاذ سے پڑھو گے وہ انکار نہیں کرے گا، پھر ایسی مناسبت ہوئی اور ایسے چلے کہ بڑے بڑے علما ان کے شاگرد ہوئے۔''[۲۶]

مولانا مملوک علی نے نانوتوی شاہ عبدالعزیز (۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ/۱۷۴۶-۱۸۲۴ء) کے علاوہ دہلی میں متعدد اساتذہ سے کسب علم کیا تھا۔حدیث وفقہ کی اعلیٰ تعلیم کے علاوہ معقول ومنقول مولانا رشید الدین خاں دہلوی (م ۱۲۴۹/۱۸۳۳) سے حاصل کی۔فراغت کے معا بعد ان کا شغل کیا رہا، اس کا علم نہ ہو سکا۔مگر وہ جلد ہی دہلی کالج کے استاذ مقرر ہوئے۔مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی لکھتے ہیں: ''مدرسہ عربی سرکاری، یا مدرسہ دہلی جو بعد میں دہلی کالج کے نام سے مشہور ہوا۔ہندوستان کی تعلیمی ترقی کی راہ کا ایک سنگ میل ہے۔یہ کالج انگریزی انتظامیہ نے دہلی کے علمی خاندانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے قائم کیا تھا اور اس کا نام مدرسہ دہلی مقرر کیا تھا۔دہلی کالج کے قائم کرنے کی

تجویز ۱۸۲۳ء(۱۲۳۹ھ) میں کی گئی تھی۔ جون ۱۸۲۵ء (شوال ۱۲۴۰ھ) میں تعلیمی سال کا افتتاح ہوا، مولانا رشید الدین خاں دہلوی مدرس اول اور مولانا مملوک علی مدرس دوم مقرر ہوئے تھے۔ مولانا رشید الدین خاں کی صحت خراب تھی۔ کالج کے افتتاح کے صرف دو سال بعد مولانا کی (محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/ جولائی، اگست ۱۸۲۷ء میں) وفات ہوگئی تھی۔ مولانا کی وفات کے بعد مولانا مملوک علی کالج کے (عملاً) سربراہ ہوئے۔''۲۷

مولانا مملوک علی آخر عمر تک یہاں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس عرصے میں بے شمار لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی ،کالج کے علاوہ وہ اپنے گھر پر بھی طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ مولوی کریم الدین پانی پتی (م ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹) ان کی علمی مصروفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گھر اس کا محط الرجال طلباء مدرسہ اس کا مجمع علماء ،صدہا شاگرد اس ذات بابرکات سے فیض اٹھا کر اطراف واقطار ہندوستان میں فاضل ہوکر گئے ،سوا درس دہی طلباء مدرسہ کے اپنے گھر پر بھی لوگوں کو ہر ایک علم کی کتابیں پڑھاتے ہیں، تمام اوقات گرامی ان کے تعلیم طلباء میں نصف شب تک منقسم ہیں۔ان کی خدمت میں صدہا طالب علم اطراف وجوار سے واسطے تعلیم پانے علوم کے حاضر ہوتے ہیں اور ان کے حسن اخلاق سے یہ بعید ہے کہ کسی طالب علم کی خاطر رنجیدہ کریں۔''۲۸

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا کہ سرسید احمد خاں نے کب ان سے تعلیم حاصل کی ہوگی ۔گویا کہ مولانا مملوک العلی نے دہلی میں تعلیم وتربیت حاصل کی اور یہیں طویل مدت تک درس وتدریس پر مامور رہے۔اسی مدت میں سرسید نے اس بحرالعلم سے تعلیمی مراحل طے کیے ہوں گے۔ مندرجہ ذیل سطور سے بھی یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ سرسید نے مولانا مملوک العلی سے تعلیم پائی تھی۔ مولانا اسیرادروی لکھتے ہیں:

''۴/ محرم ۱۲۶۰ھ، جنوری ۱۸۴۴ء میں آپ (قاسم نانوتوی) عربی کالج دہلی میں داخل ہوئے یہاں آپ کی تعلیم کا آغاز نحو کی مشہور کتاب قافیہ سے ہوا۔ مولانا مملوک علی نانوتوی کی پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گذری تھی۔وہ اپنے عہد کے انتہائی تجربہ کار اور طلبہ کے مزاج شناس استاد تھے۔ان کی تدریسی خدمات پر ایک طویل مدت گذر چکی۔ ذہین سے ذہین طلبہ ان کے حلقہ درس میں آتے رہے اور جوہر قابل بن کر جاتے رہے۔یہ تلامذہ اپنے استاذ کے قدرداں اور ثناخواں رہے۔خود سرسید احمد خاں جو آپ کے شاگردوں میں ہیں، ان کو اپنے استاد سے کتنی گہری عقیدت تھی اس کا اندازہ ان کی دو سطری تحریر سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔وہ لکھتے ہیں: ''علم معقول ومنقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا ایسا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں کو گنجینۂ عالم خالی ہوجائے تو ان کے لوح حافظہ سے پھر نقل ان کی ممکن ہے۔''۲۹

اس خیال کو مزید تقویت پروفیسر اختر الواسع صاحب کے مندرجہ ذیل بیان سے بھی ہوتی ہے کہ

دونوں مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کیا اس حقیقت سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے کہ دونوں اداروں کے بانی ولی اللہ مکتب فکر کے پروردہ تھے اور دونوں نے مولانا مملوک علی ہی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔''۳۰

مولانا سید محمد میاں نے مولانا مملوک علی کے نام ور شاگردوں کا ذکر اپنی مشہور زمانہ کتاب 'علمائے ہند کا شان دار ماضی' میں کیا ہے اور ان کے شاگردون میں سرسید احمد خاں کو بھی شامل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''(مولانا مملوک علی) عرصہ دراز تک دہلی کی عربی یونیورسٹی میں جو اس وقت مدرسہ شاہ جہاں آباد یا مدرسہ غازی الدین کہلاتا تھا، عربی علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔ پھر یہاں شعبہ عربی کے صدر بنا دیے گئے۔ اس دور کے بلند پایہ فضلاء اور علماء زیادہ تر آپ ہی کے شاگرد تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، سرسید احمد صاحب (بانی یونیورسٹی علی گڑھ) ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی (صاحب ترجمہ) شمس العلما ذکاء اللہ خاں صاحب اور آپ کے فرزند رشید مولانا یعقوب صاحب جو دار العلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس بنائے گئے جو اپنے والد ماجد کی طرح علوم عقلیہ ونقلیہ کے بہترین فاضل اور جامع ترین شخصیت تسلیم کیے جاتے تھے۔''۳۱

یہ بات بڑی اہم ہے دونوں کے درمیان رفیق درس کے رشتے کو ثابت کرنے کے لیے کہ مولانا قاسم نانوتوی اور سرسید کی ملاقات دہلی ہی میں اس وقت ہوئی ہوگی جب وہ اپنا تبادلہ کرا کے دہلی آئے تھے۔ چوں کہ مولانا قاسم نانوتوی اپنے تمام ساتھیوں میں بڑے تیز تھے اور حاضر جواب بھی، اس لیے وہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ سرسید کی ان دنوں کہیں نہ کہیں مولانا قاسم نانوتوی سے ملاقات ہوئی ہوگی۔ تبھی تو وہ ان کے حافظہ اور استعداد علمی کے آخر تک قائل رہے۔ جب تک کسی آدمی کو بہت زیادہ قریب سے نہ دیکھا اور پرکھا گیا ہو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے ابتدائی زمانہ طالب علمی کے حالات کو من وعن اسی طرح بیان کر دیا جائے جیسا کہ وہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں سرسید احمد خاں کے وہ تعزیتی مضمون جو انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے انتقال کے بعد لکھا تھا، اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے جس سے صحیح صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں نے کسی استاذ کے سامنے ایک ہی وقت میں ضرور زانوئے تلمذ تہ کیا ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

''لوگوں کا خیال تھا کہ جناب مولوی اسحٰق کے کوئی ان کے مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں، مگر مولوی قاسم مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دین داری اور تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلی کی تعلیم وتربیت کی بدون مولوی محمد اسحٰق صاحب کی مثل ایک اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ جب کہ چند باتوں میں ان سے زیادہ ہے۔ بہت سے لوگ زندہ ہیں جنھوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کو نہایت کم عمری میں دلی

میں تعلیم پاتے دیکھا ہے۔انہوں نے جناب مولوی مملوک علی صاحب سے تمام کتابیں پڑھی تھیں۔ابتدا ہی سے آثار تقویٰ اورورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے ان اوضاع اور اطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعر ان کے حق میں بالکل صادق تھا: بالائے سرش زہوش مندی می تافت ستارہ بلندی

زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت اور عالی دماغی اور فہم وفراست میں معروف مشہور تھے ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہل فضل وکمال تھے۔ان کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صحبت سے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہ کے فیض صحبت نے ان کے دل کو ایک نہایت عالی رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابند شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابند شریعت کرنے میں زائد از حد کوشش کرتے تھے۔''۳۲

سرسید نے جس انداز میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے،اس سے بڑی حد تک یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ گرچہ سرسید ان سے عمر میں بڑے تھے،مگر ان کو مخاطب ٹھیک اسی انداز سے کرتے ہیں جیسے ایک ساتھی دوسرے ساتھی کو کرتا اور اس کی اچھی باتوں کو دوسروں کے سامنے بیان کرتا ہے۔مولانا مملوک علی صاحب اور شاہ اسحٰق صاحب کے ساتھ انہوں نے بزرگی اور اوران کے بڑے ہونے کا خیال اور لحاظ کیا ہے،جب کہ مولانا قاسم نانوتوی کو جس انداز میں یاد کیا ہے وہ اس سے رفیق درس ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔لہٰذا یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ سرسید احمد اور مولانا محمد قاسم نانوتوی نہ صرف ایک بلکہ کئی استاد کے شاگرد تھے۔ساتھ ہی انہیں ان اساتذہ کے سامنے ایک ہی وقت میں بلاواسطہ کہیں نہ کہیں پڑھنے کا بھی موقع ملا ہوگا۔

❀ ❀ ❀ ❀

مآخذومراجع

۱۔ ڈاکٹر نواز دیوبندی،سوانح علمائے دیوبند،نواز پبلیکیشنز،دیوبند،۲۰۰۰ء،ج:۲،ص:۲۹

۲۔ مولانا الطاف حسین حالی،حیات جاوید،ترقی اردو بیورو،نئی دہلی،۱۹۸۲ء،ص:۵۵-۵۶

۳۔ ماہ نامہ تہذیب الاخلاق،علی گڑھ(سرسید نمبر)اکتوبر ۱۹۹۰ء،ص:۳۲،مضمون:سرسید کی درسی تعلیم

۴۔ حیات جاوید،ص:۶۰ ۵۔ ایضاً،ص:۶۴

۶۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ،دانش گاہ پنجاب،لاہور،۱۹۸۶ء،ج:۱۹،ص:۵۰۵

۷۔ مولانا مناظر احسن گیلانی،سوانح قاسمی،مطبوعہ دارالعلوم دیوبند،۱۳۷۳ھ،ج:۱،ص:۲۲۴

۸۔ اسیر ادروی،مولانا محمد قاسم نانوتوی:حیات اور کارنامے،شیخ الہند اکیڈمی،دارالعلوم دیوبند،۱۹۹۷ء،ص:۵۲

۹۔ ایضاً،ص:۵۵-۵۶

۱۰۔ شیخ محمد اکرام،موج کوثر،ادبی دنیا،مٹیا محل دہلی،۱۹۹۰ء،ص:۱۹۵

۱۱۔ سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص: ۸۴-۸۵
۱۲۔ ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ (سرسید نمبر) اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص: ۴۶، مضمون: مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور سرسید احمد خاں
۱۳۔ موج کوثر، ص: ۱۹۵
۱۴۔ ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ (سرسید نمبر) اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص: ۴۶
۱۵۔ نور الحسن راشد کاندھلوی، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی: احوال و آثار و باقیات و متعلقات، مکتبہ نور، کاندھلہ، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۷۹
۱۶۔ حیات جاوید، ص: ۷۴۹
۱۷۔ ایضاً، ص: ۷۰۶
۱۸۔ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی: احوال و آثار و باقیات و متعلقات، ص: ۱۷۸
۱۹۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حالات جناب طیب مولوی محمد قاسم مرحوم، ۱۲۹۷ھ، بحوالہ: قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی: احوال و آثار و باقیات و متعلقات، ص: ۱۷۸-۱۷۹
۲۰۔ محمد سلمان منصور پوری، تحریک آزادیٔ ہند میں مسلم علماء اور عوام کا کردار، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۵۸
۲۱۔ سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، ج: ۵، ص: ۶۲، بحوالہ: مولانا محمد قاسم نانوتوی: حیات اور کارنامے، ص: ۶۰
۲۲۔ عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید، مکتبۃ الشیخ، سہارن پور، ص: ۳۲
۲۳۔ ارواح ثلثہ، ص: ۱۹۶، بحوالہ: سوانح قاسمی، ج: ۱، ص: ۲۶۴-۲۶۵
۲۴۔ موج کوثر، ص: ۸۰
۲۵۔ ایضاً، ص: ۱۹۳-۱۹۴
۲۶۔ محبوب رضوی، تاریخ دار العلوم دیوبند، مطبوعہ دار العلوم دیوبند، ۱۹۷۷ء ۹۸ (حاشیہ)
۲۷۔ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی: احوال و آثار و باقیات و متعلقات، ص: ۱۸۲
۲۸۔ کریم الدین پانی پتی، تذکرہ فرائد الدہر، بحوالہ: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی: حیات، افکار، خدمات، (مجموعہ مقالات سیمینار) تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند، دہلی، ۲۰۰۵ء، ص: ۴۹۴
۲۹۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی: حیات اور کارنامے، ص: ۵۰۔ مزید دیکھیے: سرسید احمد کی مشہور زمانہ کتاب 'آثار الصنادید' کا چوتھا باب
۳۰۔ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی: حیات، افکار، خدمات، ص: ۵۳۴
۳۱۔ سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، کتابستان، دہلی، ج: ۴، ص: ۲۶۰
۳۲۔ موج کوثر، ص: ۷-۳۶۷-۶۸-۲۔ سوانح قاسمی، ج: ۳

جناب محی الدین خان *

کتاب ''سیرت سلطان ٹیپو شہید'' پر ایک نظر

مؤلف مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ پر اب تک بے شمار کتابیں' فارسی' اردو اور انگریزی زبانوں میں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان میں بہت سی کتابیں خود انگریزی مورخین کی بھی ہیں جو نواب حیدر علی خان بہادر' شہید ملک وملت ٹیپو سلطان اور سلطنت خداداد کے سخت مخالف اور دشمن تھے' جن کے ہاتھوں ہی سلطان کی شہادت اور سلطنت کا زوال بھی ہوا تھا' سلطان کی شہادت کے بعد پہلی جامع' مفصل اور مستند کتاب سید میر حسین علی کرمانی کی ''نشان حیدری'' فارسی زبان میں منظر عام پر آئی۔ کرمانی سلطنت خداداد کے بانی نواب حیدر علی اور سلطان شہید کا معاصر ہی نہیں بلکہ سلطنت خداداد کا نمک خوار بھی تھا۔ اس کتاب کے بعد جتنی بھی کتابیں نواب حیدر علی و سلطان شہید پر منظر عام پر آئیں ان سب کا یہی کتاب ماخذ و مرجع رہی۔

اس کے بعد سب سے زیادہ مستند و مقبول کتاب محمود خان محمود بنگلوری کی ''تاریخ سلطنت خداداد'' جو ۱۹۳۵ء کو منظر عام پر آئی۔

زیر بحث کتاب ''سیرت سلطان ٹیپو شہید'' جس میں مصنف نے یہ دعویٰ پیش کیا ہے کہ

''سلطان شہید کی زندگی سے متعلق بعض اہم گوشے ایسے بھی تھے جس پر اب تک کسی بھی کتاب میں تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی تھی اور وہ پہلو اس (ٹیپو سلطان) کے داعی و مبلغ اسلام اور ایک داعیٔ حق ہونے کا تھا' اب تک کی تمام موجودہ کتابوں میں اس کو صرف بحیثیت ایک کامیاب حکمران' ذہین سیاستدان' قابل منتظم اور بہادر سپہ سالار کے روپ میں پیش کیا گیا تھا''

دوسرا دعویٰ ''میر کرمانی اور محمود خان بنگلوری نے اپنی کتابوں میں بعض غیر مصدقہ روایات و واقعات کو جگہ دی ہے اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کیلئے کسی معقول یا مضبوط حوالہ کی بجائے صرف اس طرح کے الفاظ استعمال

---

* سابق لکچرار' موتی نگر بنگلور' انڈیا

کرنے پر اکتفا کیا ہے ''مشہور ہے'' ''کہا جاتا ہے'' ''مقامی روایت ہے'' ان کو بنیاد بنا کر اہل نوائط کو معتوب و معلون کیا ہے' یہ کہاں کی دیانت داری ہے۔ اہل نوائط سے متعلق اکثر الزامات کے حوالے مقامی روایات ہیں۔ مثلاً محمود بنگلوری اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''جب انگریزوں نے (میسور کی آخری جنگ میں) قلعہ کا محاصرہ کیا تو اہل نوائط کے گھروں سے انگریزوں کو پلاؤ اور مٹھائی تقسیم کی جارہی تھی۔'' اور خود کہتے ہیں کہ یہ مقامی روایت ہے جس کا کوئی حوالہ نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح ایک اور واقعہ بھی لکھا ہے کہ ''سلطان ٹیپو بدر الزماں کی لڑکی سے اپنے برادر نسبتی برہان الدین کا نکاح کرنا چاہتا تھا لیکن اس لڑکی نے اس رشتہ کو غیر اہل نوائط ہونے کی وجہ سے اپنی توہین سمجھ کر اسی رات خودکشی کو ترجیح دی۔''

تیسرا دعویٰ: ''میسور کی آخری جنگ میں جب فرانسیسیوں نے دارالسلطنت کے انگریزوں کے محاصرہ کے بعد سلطان ٹیپو کو چتل درگ چلے جانے کا مشورہ دیا تو بدر الزماں خان نائطہ نے یہ کہہ کر سلطان کو روک دیا کہ اس وقت آپ کے جانے سے پوری فوج میں بددلی پھیل جائے گی۔ اس لئے فوجی حکمت عملی کے تقاضہ کے تحت آپ کی موجودگی بے حد ضروری ہے۔ اس کے اس مشورہ کو ہم کیونکر اس کی بدنیتی پر محمول کرسکتے ہیں جو رائے اس نے پیش کی وہ حقیقت پر مبنی تھی اور سلطان نے بھی اس مشورہ کو مخلصانہ سمجھ کر چتل درگ جانے کیلئے اپنے ارادہ کو منسوخ کردیا۔ لیکن ہم ان سب چیزوں کے باوجود اس کا بھی فیصلہ نہیں کرتے کہ بدر الزماں خان واقعی ذاتی طور پر اپنے دل سے بھی سلطان کا مخلص اور خیر خواہ تھا۔ لیکن جب تک اس کے متعلق غداری کے واضح ثبوت ہمیں نہیں ملتے اس کو ہم بے وفا ثابت کرنا دیانت داری وانصاف کے اسلامی اصولوں کے منافی سمجھتے ہیں۔ جہاں تک سوال ہے اس (بدر الزماں) کی ایک دفعہ نظر بندی کا تو جیسا کہ معلوم ہوا کہ یہ سب کھیل میر صادق نے اس سے اپنی ذاتی دشمنی کی بناء پر کیا تھا جس طرح اس نے ملک جہان خان کو غلط الزامات لگا کر سلطان کی شہادت تک مقید رکھا تھا' اس طرح کی ذلیل حرکتیں اپنے عہدہ و منصب کا ناجائز فائدہ اٹھا کر میر صادق کسی سے اپنی ذاتی دشمنی نکالنے کیلئے ہمیشہ عادی تھا۔ اس لئے صرف اس کی نظر بندی کو بنیاد بنا کر اس کی سلطان سے بے وفائی یا غداری ثابت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔''

میر حسن علی کرمانی کی کتاب ''نشان حیدری'' کے تتمہ میں جو تاریخ درج ہے وہ ۱۳ر فروری ۱۸۰۳ء ہے جو سلطان کی شہادت (۵/مئی ۱۷۹۹ء) کے صرف چار سال بعد کی ہے۔ ممکن ہے اشاعت آٹھ سال بعد ہوئی ہو۔ یہ بھی درج ہے کہ یہ کتاب سلطان کے شہزادوں یا ایک شہزادے کے اصرار پر لکھی گئی تھی۔ نیز اس کتاب کو مصنف نے اپنی بے انتہاء مصروفیت' کثرت مشاغل' سفر و حضر کی مشکلات کے باوجود مکمل کیا ہے۔ یہ مصنف کا خود ساختہ دعویٰ اور کرمانی پر بہتان ہے کہ ''کرمانی نے اپنی کتاب سلطان کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حکم واصرار پر کلکتہ میں اپنی نظر بندی کے دوران لکھی تھی۔'' کرمانی کی انگریزوں کے پاس نظر بندی سے متعلق صرف جناب محب الحسن نے اپنی کتاب

''تاریخ ٹیپو سلطان'' میں تحریر تو کیا ہے مگر اس کا کوئی مستند حوالہ نہیں دیا ہے۔

محمود خان بنگلوری جو سلطان شہید کے پڑوسی ہیں اپنی کتاب (تاریخ سلطنت خداداد) میں سلطان کے موافقین ومخالفین کی کتابوں کو کھنگالنے اور تمام کھرے کھوٹے حقائق وواقعات کی ممکنہ حد تک جانچ پڑتال کرنے کے علاوہ خصوصاً سرنگا پٹم کے ان اجڑے ہوئے تاریخی مقامات کا بچشم دید مشاہدہ ومطالعہ کرنے کیساتھ ساتھ مقامی باشندوں خصوصاً معمر بزرگوں سے مل کر صحیح حقائق وواقعات کا ادراک کیا ہے۔ جس وقت ۱۹۳۵ء اس کتاب کا پہلا ایڈیشن منظر عام پر آیا سلطنت خداداد کے زوال کو صرف ۱۳۵ سال کا عرصہ گزرا تھا۔ (۱۳۵ سال میں سے ۷۰/۸۰ سال جن معمر بزرگوں سے محمود خان نے ملاقات کی ہے وضع کر دیئے جائیں تو بمشکل ۵۰/۶۰ سال پرانے واقعات) عوام الناس کو باپ' دادا سے سن کر محفوظ رکھنا' کچھ بعید از قیاس نہیں۔ جبکہ بعض معمولی معمولی قسم کے حقائق وواقعات صدیوں تک نسل در نسل بیان ہوتے رہتے ہیں چہ جائیکہ ایسے مشہور ومعروف واقعات۔ مولانا حکیم عبدالحیٔ حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اپنی کتاب ''ہندوستان اسلامی عہد میں'' میں کئی جگہوں پر جن تاریخی مقامات وواقعات کا ذکر کیا ہے اس میں بھی ''مشہور ہے'' اور ''کہا جاتا ہے کہ'' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مثلاً بابری مسجد کے بارے میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ ''یہ مسجد بابر نے اجودھیا میں تعمیر کی تھی' جسے ہندو راجندر جی کی جائے ولادت'' کہتے ہیں''۔ ان کی بیوی سیتا کا واقعہ مشہور ہے'' ''کہا جاتا ہے'' کہ سیتا کا یہاں ایک مندر تھا۔۔۔۔۔'' جب یہ اور اسی طرح دوسرے مؤرخین کی کتابیں بھی ہیں تو کرمانی اور محمود خان کی کتابوں ہی سے ایسا ناروا سلوک کیوں؟ حالانکہ کرمانی نے اپنی کتاب میں کسی بھی جگہ اس طرح کے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں اور نہ ہی اس کو اس کی ضرورت ہی تھی' کیونکہ وہ خود اپنی آنکھوں دیکھی اور اپنے دور کے حقائق وواقعات بیان کر رہا ہے۔

مصنف کا یہ کہنا کہ کرمانی اور محمود خان نے اپنی کتابوں میں بعض غیر مصدقہ روایات وواقعات کو جگہ دی ہے اور مقامی روایات کو بنیاد بنا کر اہل نوائط کو معتوب وملعون کیا ہے یہ کہاں کی دیانتداری ہے؟ اس کا کیا مطلب؟ کیا ان دونوں کتابوں میں موصوف کو صرف اہل نوائط ہی کے متعلق غیر مصدقہ روایات نظر آئے؟ خود انگریزی مؤرخ کرنل ولکس نے اپنی تاریخ مرتب کرنے میں بدرالزماں نائطہ سے (جو کہ سقوط سرنگا پٹم کے بعد بھی ایک عرصہ تک انگریزوں کے ٹکڑوں پر زندہ رہا) بہت مدد لی ہے' لیکن ساتھ ہی وہ ایک جگہ لکھتا ہے کہ اس (بدرالزماں) کی باتوں میں سچائی نہیں ہوتی تھی۔ آخر کیا بات ہے کہ تمام مورخین ہاتھ دھو کر اہل نوائط کو بدنام کرنے میں جٹ گئے ہیں۔ انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جہاں جہاں اور جن جن افراد کے بارے میں بھی آپ کی نظر میں جو غیر مصدقہ روایات وواقعات جگہ پا چکے ہیں ان سب کی نشاندہی کرتے۔ یہاں پر بھی مصنف کا یہ بہتان ہے کہ کرمانی نے مقامی روایات کو بنیاد بنایا ہے۔ اس طرح کا ایک لفظ یا ایک روایت بھی اس کتاب میں مذکور نہیں ہے۔

جہاں تک بدرالزماں نائطہ کی غداری کا مسئلہ ہے اس کی اس نظر بندی (قید) سے بھی بڑا اور کوئی ثبوت چاہیے؟ کیا یہ ایک ثبوت ناکافی ہے؟ خود میر صادق کو سلطان شہید نے ایک مرتبہ نظر بند کیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد سلطان ہی نے اس کو رہائی دے کر دوبارہ اسی عہدہ پر بحال کر دیا بلکہ بعد میں مزید اس سے بھی بڑا عہدہ (وزیر اعظم) تفویض کیے جانے کے باوجود اس نے سلطان سے صرف اس نظر بندی کا بدلہ برابر نمک حرامی سے لیتا رہا اور سلطنت کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہی مردود و ملعون بنا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے افراد کی مثالیں ہیں جن کو سلطان نے مختلف وجوہات کی بنا پر صرف ایک ہی مرتبہ نظر بند کیا تھا' جیسے میر قمر الدین' غلام علی لنگڑا' اور میر قاسم علی وغیرہ' بعد میں رہائی دے کر دوبارہ ان کو ان کے سابقہ عہدوں پر بحال کیے جانے کے باوجود انہوں نے سلطان سے نمک حرامی کی۔ دوسروں کی غداری کے اثبات کیلئے ان کی صرف ایک مرتبہ کی نظر بندی کافی ہے تو بدرالزماں خان کیلئے اتنا ہی ثبوت ناکافی کیوں؟ اس کے برعکس مرہٹی بھگوڑا نو مسلم ملک جہاں خان (ڈونڈیا داغ) کو آخری وقت یعنی سقوط سرنگا پٹم ایک طویل عرصہ تک نظر بند رکھے جانے کے باوجود اس نے زوال سلطنت کے دن وہاں سے گلو خلاصی حاصل کر کے سلطان ٹیپو کے بڑے شہزادے فتح حیدر سلطان سے (جو کہ سقوط سرنگا پٹم کے وقت کری گڑ کی پہاڑی کے اس پار تھا) مل کر انگریزوں کے سامنے ہتھیار نہ ڈالنے بلکہ ان کے خلاف برسر پیکار رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ مگر شہزادے نے بعض وجوہات کی بناء پر ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے باوجود اس نمک حلال جہاں خان نے بچے کچے مٹھی بھر جنگجوں کو ساتھ لے کر دو ڈھائی سال تک ایک مستقل عذاب کی طرح دشمنان سلطنت خداداد انگریز' نظام اور مرہٹوں کا ناک میں دم کیے ہوئے تھا' اس کو کہتے ہیں نمک حلالی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک سلطان ٹیپو کے نمک حلال جانثاروں کا تعلق تھا سب نے مع فرانسیسیوں کے ایسے نازک وقت میں سلطان کو یہی مشورہ دیا کہ آپ خاموشی سے نکل کر چل درگ روانہ ہو جائیں۔ اس کے برعکس جتنے بھی نمک حرام اور آستین کے سانپ غداران جیسے میر صادق' پورنیا' بدرالزماں نائطہ' غلام علی لنگڑا' میر معین الدین اور میر قمر الدین انہوں نے سلطان کو ہر ممکن طریقے سے روکنے ہی کی کوشش کی تاکہ درپردہ انگریزوں سے ان کی جو پلاننگ تھی اور ان کے ناپاک ہاتھوں تھوڑی سی حقیر جائیداد یا چند سکوں کی خاطر بک چکے تھے کہیں فیل نہ ہو جائے اور سارے کیے کرائے پر پانی نہ پھیر جائے۔

یہاں پر قابل مؤرخ نے صرف بدرالزماں کی غداری کو اس کے خیر خواہ یا بدخواہ ہونے کے فیصلہ کو اللہ کے سپرد کر کے تیسری جنگ میں میر صادق و پورنیا کا رول نبھانے والے سب سے بڑے نمک حرام و ملت فروش دیوان مہدی علی نائطہ (سابق وزیر اعظم) کی کھلی غداری سے اس کو مراد آباد کا مسلکا شیعہ بتلا کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ جبکہ تاریخ میں متفقہ طور پر اس کا اہل نوائط سے ہونا ثابت ہے' تیسری جنگ میں جب سرنگا پٹم محصور ہو گیا تو اس احسان فراموش

نے عیدگاہ کا مورچہ جو اسی کے سپرد تھا اس قیامت خیز ہنگامے کے باوجود سلطان کے حکم کے بغیر ہی فوج میں ماہانہ تنخواہوں کی منادی کر کے مقابلہ کئے بغیر ہی انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ بدرالزماں نے تو صرف سلطان کو چل درگ نہ جانے کا مشورہ دیا تھا جب کہ مہدی علی نے ایک اہم مورچہ بغیر کسی مزاحمت کے یونہی چھوڑ دیا۔ نیز جنگی آلات واوزار کے داروغہ کو اپنی مٹھی میں کر ''سن'' اور ''مٹی'' کے گولے تیار کرنے کا حکم دیا تھا تا کہ اس سے فرنگیوں کا جانی نقصان نہ ہو (چوتھی جنگ میں میر صادق و پورنیا نے بھی یہی کارآمد طریقے اپنائے تھے) اس معرکہ سے قبل ہی جاسوسی اور غداری کا راز فاش ہو جانے کی وجہ سے بہت سے غداروں کو مثلاً سید امام' لال خان' بخشی' میر نذر علی موکبدار اور اس کا بھائی اسماعیل خان رسالدار وغیرہ بحکم سلطانی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اس کے باوجود سلطنت میں سلطان کے بعد سب سے بڑا عہدے دار ہونے کے اس ننگ آدم مہدی علی نائطہ نے اتنی بڑی غداری کی۔ کرمانی نے لکھا ہے کہ ''سلطان نے ان سازشوں اور غداریوں کی تحقیقات شروع کرائی جن کی وجہ سے یہ شر عظیم برپا ہوا تھا' جب تمام عہدہ داروں' ملازموں اور ساہوکاروں کے اعمال کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ یہ ساری سازش سلطان کے مدار المہام (وزیر اعظم) مہدی علی خان نائطہ کی برپا کی ہوئی تھی۔ وہ چند کرناٹکی ساہوکاروں اور دوسرے نمک حراموں کے ساتھ درپردہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا اور اپنے آقا کے ناموس وخانوادہ کو برباد کر دینا چاہتا تھا' چنانچہ اس نمک حرام نے نظم ونسق کے سارے شعبوں اور ذخائر میں ابتری پھیلا رکھی تھی' یہاں تک کہ اکثر توپوں کو عین لڑائی کے وقت اس بدبخت نے ریت اور مٹی سے بھر دیا تھا۔ اس لئے توپچی موقع پر ان کو استعمال کرنے سے معذور رہ گئے تھے۔ اس تحقیقات کے بعد جتنے اشخاص مجرم ثابت ہوئے سلطان کے حکم سے ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا اور ان خانہ خرابوں کا مال ومتاع' گھربار ضبط کر لیا گیا۔''

قابل مصنف اپنے پرکھوں کو غداری کے کلنک سے بچانے اور معصوم ثابت کرنے کیلئے کھلی دھاندلی' علمی بددیانتی اور اپنی مرضی کے مطابق واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے معصوم افراد کو ملزم ٹھہرا رہے ہیں۔ آخر یہ کہاں کی دیانتداری اور کون سے اسلامی اصولوں کے تحت ہے؟ قابل مصنف بدرالزماں کو غداری کے کٹہرے سے نکال کر ان چندنا قابل فراموش جانثاروں کے کٹہرے میں لاکھڑا کر اس کے حق وناحق پر سرخی قائم کر کے فیصلہ اللہ کے سپرد کر رہے ہیں تو مہدی علی کی اتنی بڑی غداری کو غداروں کے کٹہرے میں لاکھڑا کئے اور اس پر سرخی قائم کئے بغیر فیصلہ کس کے سپرد کر رہے ہیں؟ مصنف کا یہ کہنا کہ اگر سلطان کو مجموعی طور پر اس قبیلہ (اہل نوائط) پر بھروسہ نہیں ہوتا تو وہ اپنی حکومت کے اعلیٰ فوجی و مذہبی مناصب پر انہیں کیسے بحال رکھتا؟ پہلی بات: تاریخ شاہد ہے اور مصنف بھی اچھی طرح واقف ہیں کہ حیدر علی کے مقابلے سلطان ٹیپو کتنا رحم دل اور بردبار شہنشاہ تھا۔ معافی مانگ لینے پر وہ غداروں کو بھی معاف کر کے دوبارہ اسی عہدہ پر بحال کر دیتا' بلکہ بعض مرتبہ اس سے بھی بڑا عہدہ ان کو تفویض کر دیتا تھا۔ جس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔

دوسری بات: میر صادق سے پہلے مہدی علی نائطہ ہی دیوان (وزیر اعظم) تھا جو غداری ثابت ہونے کے بعد اس عہدہ

سے معزول کردیا گیا۔ بقول کرمانی ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اور بعض مورخوں کے مطابق مہدی علی کے نسب کا لحاظ کرتے ہوئے اس کو صرف عہدے سے معزول کیا گیا۔ اب رہا بدرالزماں تو اس سے غداری بالکل آخری وقت میں ظاہر ہوئی ہے۔

تاریخ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ سلطان سے اہل نوائط کی غداری بدرالزماں کی بیٹی سے سلطان کے نسبتی برادر برہان الدین سے شادی (۱۷۸۴ء) ہوجانے کے بعد اس کے غیر کفو ہونے کی وجہ سے دلہن کی خودکشی (بقول کرمانی بدرالزماں کی دخترکشی) کے بعد ہی سے شروع ہوچکی تھی اور وہ سلطان سے اس کا بدلہ لینے کیلئے بے قرار اور درپردہ انگریزوں سے مل گئے تھے۔ اسی بنیاد پر مہدی علی نائطہ نے تیسری جنگ (۱۷۹۲ء) میں بغیر مقابلہ کے اپنا محاذ انگریزوں کے سپرد کردیا۔ اب آخری معرکہ (۱۷۹۹ء) میں پلاؤ اور مٹھائی سے اپنے کرم فرماؤں اور قید سے چھٹکارا دلانے والے نجات دہندوں کی خاطر تواضع کی جائے تو آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ یہ تو حقیقت ہے کہ بغیر آگ کے دھواں نہیں اٹھتا، تو بغیر سازش اور خاطر تواضع کے مقامی طور پر اس کا چرچہ بھی نہیں ہوتا۔

تاریخ میں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ زوال سلطنت کے بعد غداری کے صلے میں پنڈت پورنیا (دیوان میسور کا عہدہ) میر قمرالدین (گرم کنڈہ کی جائیداد) غلام علی لنگڑا، محمد رضا خطیب، چند میر میراں، بدرالزماں خاں نائطہ اور غلام علی بخشی وغیرہ باقاعدہ انگریزوں سے حسن خدمات کے صلہ میں اپنا حق سعی اور ماہانہ مشاہرے بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

اور تاریخ اس بات پر بھی شاہد ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی اس کا صلہ وہ سلطان کی شہادت کے چند ہی گھنٹوں میں اپنی آنکھوں کے سامنے ہی پالیا۔ ایک خدائی قہر وانتقام تھا جو فوراً اسی وقت قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ گورے بھیڑیوں کی شکل میں ایک طوفان بدتمیز تھا جو مسلسل چار دن تک اہالیان سرنگا پٹم خصوصاً ان اونچی اونچی حویلیوں میں رہنے والوں کا مال وزر، عزت ووقار، عورتوں کی عصمت وناموس تک کو بہالے گیا۔ سب کچھ ان غداران قوم وملت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ ان چار دنوں میں وہاں پر جو کچھ بھی ہوا اس سے انسانیت کی روح بھی شرما گئی۔ اس سے سرنگا پٹم کا شاید ہی کوئی گھر (سوائے شاہی گھرانے کے) محفوظ رہا ہو۔ ایسے مواقع پر سب سے پہلے بڑے بڑے گھرانے ہی اس کا نشانہ بنتے ہیں۔ اہم گھرانوں پر فوجی پہرہ لگادینے کے باوجود خود محافظ ہی درندے، بھیڑیئے اور لٹیرے بن گئے۔ مجبوراً انگریز جنرل کو خود اپنے ہی چند سپاہیوں کو بطور عبرت تختہ دار پر لٹکانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔

جہاں تک بدرالزماں نائطہ کی بیٹی سے ٹیپو سلطان کے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی کا تعلق ہے، وہ شادی ہوجانے کے بعد اسی رات دلہن نے خودکشی کی تھی۔ یہاں پر مسئلہ بدرالزماں نائطہ کی بیٹی کا سلطان ٹیپو سے یا ان کے کسی شہزادے سے شادی کا نہیں بلکہ سلطان کے نسبتی برادر برہان الدین کا تھا جو کہ لالہ میاں شہید چرکولی کا بیٹا تھا، اور یہ اہل

نوائط کیلئے غیر کفو میں سے ہونا (بقول طبری نوائط کا تعلق اہل قریش سے ہے) تو کسی حد تک صحیح ہے' اس لئے کہ لالہ میاں کا تاریخی اعتبار سے قریشی النسب یا عربی النسل ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ اور مصنف تاریخ یمن کی تحقیق کے مطابق نوائط ملاحوں کا ایک قبیلہ ہے جو بغداد سے نو میل پر ایک مقام وائط ہے' وہاں کے تاجر بنو وائط کہلائے جو بعد میں نوائط ہو گیا۔ راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے اور قرائن بھی اسی کی شہادت دے رہے ہیں۔ ورنہ ایک عالی نسب قبیلہ کے دعویدار افراد سے ایسی غداری ممکن نہ تھی جو کہ ایک معمولی نومسلم ملک جہاں خاں کی وفاداری کا بھی مقابلہ نہ کر سکے۔

اور جہاں تک ٹیپو سلطان کے ایک داعی و مبلغ اسلام اور فراست ایمانی وحمیت دینی سے معمور ہونے کا ہے اس پر اس کتاب میں ضرور کچھ روشنی ڈالی گئی ہے اور بجز دوسری کتابوں کے کچھ اضافہ ہوا ہے اور یہ ایک اچھی چیز ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ نواب حیدر علی ناخواندہ تھے لیکن انہوں نے اپنے فرزند ٹیپو سلطان کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی بلکہ ٹیپو کی دینی و عصری تعلیم و تربیت اور فنون عسکری و سپاہ گری میں قابلیت و مہارت کیلئے اس دور کے ماہرین علوم و فنون کو مختص کیا تھا' نیز انہوں نے اپنے دور کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کو ملک کے مختلف گوشوں سے بلا کر اپنی قلمرو میں بسایا بھی تھا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ٹیپو اور ان کے آباؤ اجداد در حقیقت قریشی النسب ہی ہیں جو مکہ کا مشہور اور نبوی خاندان ہے۔ تو ٹیپو کی حمیت دینی و فراست ایمانی کا اثبات اسی سے ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے دور کی کوڑی لانے کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔

من جملہ اس کتاب کے مطالعہ سے صرف یہی بات ظاہر ہوتی ہے کہ اہل نوائط پر غداری کا جو کلنک لگ چکا ہے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے اس کا ازالہ۔ در حقیقت مصنف خود اہل نوائط میں سے ہیں۔ بعض اوقات چھوٹے یا معمولی قسم کے داغ دھبے دھونے یا کھرچنے کی کوشش میں بعض بڑے قسم کے دھبے لگ جاتے ہیں۔ یہاں پر بھی یہی ہوا کہ بدرالزماں نائطہ کو چھوٹی غداری سے بچانے کی کوشش میں مہدی علی نائطہ کی بڑی غداری گلے کی ہڈی بن گئی۔ معلوم ہونا چاہیے کہ کسی بڑے ادارے سے کتاب کے شائع کرادینے اور نامور افراد سے مقدمہ وغیرہ تحریر کرادینے سے اصلی تاریخی حقائق و واقعات چھپائے نہیں چھپتے۔ بہرحال غداری غداری ہی ہے' اور اہل نوائط میں سے صرف بدرالزماں خاں اور مہدی علی خاں ہی سے ثابت ہو رہی ہے تو ان دونوں ہی کو غدار گردانا چاہیے نہ کہ پوری برادری کو' ورنہ یہ بات سراسر ظلم' دیانتداری اور انصاف کے عین اسلامی اصولوں کے منافی ہے۔

آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی ہمیں ارسال کر سکتے ہیں

editor_alhaq@yahoo.com

مولانا مفتی عظمت اللہ بنوی *

اسلام میں مزدوروں اور بچوں کے حقوق' جبری مشقت کی ممانعت

اسلام میں معاشرے کے جملہ افراد و طبقات کے اجتماعی و انفرادی حقوق اور فرائض کا تعین بڑے جامع اور مفصل انداز میں موجود ہے۔ کوئی بھی فرد' طبقہ ایسا نہیں رہتا جس کے لئے حقوق و فرائض اور حدودِ کار کے کلیدی اور اساسی اصول و ضوابط اس دینِ فطرت نے فراہم نہ کیے ہوں۔ اسی طرح اسلام میں محنت اور محنت کار (مزدور) کا مقام بھی بہت اعلیٰ اور ارفع ہے اور نبی کریم ﷺ نے محنت کار کو اللہ کا دوست گردانا ہے۔ جس کا اخروی ٹھکانہ جنت ہے۔ اسلام نہ صرف محنت و مزدوری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ حصول رزق حلال عین عبادت قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے

عن عبداللہ بن مسعودؓ ان النبی ﷺ قال طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ (احیاء علوم الدین للامام ابوحامد محمد بن الغزالی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حلال روزی کا طلب کرنا (دوسرے) فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر کسب حلال کی اہمیت و مقام واضح کیا ہے اور حلال محنت و مزدوری کی ترغیب دی ہے' ایک جگہ ارشاد باری عز اسمہ ہے:

یاایھا الذین امنوا کلوا من طیبٰت ما رزقنٰکم (الایۃ سورۃ البقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

ایک حدیث شریف میں کسب حلال سے اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کرنے جہاد کے مترادف قرار دیا گیا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسب حلال محنت و مزدوری جہاد فی سبیل اللہ کی طرح ایک عبادت ہے۔

جدید معاشیات کے ماہرین کے نزدیک ''محنت'' پیدائش دولت کے اساسی عاملین میں سے ایک ہے۔ آج محنت کی عظمت اور محنت کار مزدور کی اہمیت کو تسلیم کیا جا رہا ہے۔ بعد از خرابی بسیار محنت کشوں کے حقوق کا احساس اقوام عالم میں

* مدیر مسؤل المباحث الاسلامیہ و استاد جامعہ المرکز الاسلامی۔ بنوں۔

بیدار ہورہا ہے۔ مگر اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل انسانی حقوق (جس میں مزدوروں کے حقوق بھی شامل ہیں) کا جو درس دیا ہے آج کی سسکتی ہوئی انسانیت کو سہارا دینے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ اور طبقہ مذکورہ کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ تاکہ نتیجتاً نہ صرف طبقہ مزدور معاشی تحفظ حاصل کر سکے بلکہ اس سلامیت کے طفیل معاشرہ اجتماعی طور پر اخوت اور بھائی چارے اور امن وسلامتی کا منظر پیش کر سکے۔

اسلامی حقوق کی وسعت:

شاید کوئی باشعور شخص اس امر کا انکار نہ کر سکے کہ جو ہمہ جہتی جامعیت اور وسعت اسلام کی تعلیمات میں نظر آتی ہے۔ دنیا کا کوئی نظام اور مذہب اسکے پاسنگ میں پیش نہیں کر سکتا۔ اسلام جس معاملے میں بھی اپنا نظام پیش کرتا ہے اسکے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اپنی رائے دیتا ہے۔ والدین کے ساتھ بچوں کے حقوق بھی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ حیوانات اور جمادات تک کہ حقوق کو اس طرح تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی شبہ کی گنجائش تک باقی نہیں رہی۔

چنانچہ اسلام کی اس ہمہ جہت تعلیم کی افادیت کو دیگر مذاہب کے حاملین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

جیسا کہ جارج برنارڈ نے اپنی معروف کتاب (Islam-The-Geniuneu) میں لکھتا ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں تمام عالم دنیا کے حقوق کی رعایت رکھی گئی ہے۔

مزدوروں کے حقوق اور جبری مشقت کی ممانعت:

دنیا کی تعمیر اور ترقی یافتہ ممالک کی مضبوط معیشت ہو یا ترقی پذیر یا نسبتاً کم ترقی ممالک کے اقتصادی امور ان سب کے پیچھے جس طبقے کی محنت اور جانفشانی کارفرما ہے وہ مزدور طبقہ ہے مزدور کی اہمیت کسی معاشرے اور طبقے سے مخفی نہیں۔ اور اسلامی معاشرہ تو قدم قدم پر مزدور کے حقوق کی بجا آوری کا اعلان کرتا ہے۔ اور ہر ایک کو مزدوری او رمحنت سے روزی کمانے کی تلقین کرتا ہے۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے پہلے انبیاء علیھم السلام والتسلیمات اور حضور اکرم ﷺ نے خود بھی محنت ومزدوری کے نمونے قائم کر دیئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دستکاری سیکھی اور کشتی نوح تیار کی۔

اور نبی اکرم ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرانے کا فریضہ انجام دیا۔ اور ساتھ ساتھ حضور اکرم ﷺ نے مزدور کے حقوق کے بارے میں تلقین کی اور فرمایا کہ اعطوا الاجیر قبل ان یجف عرقہ " (بحوالہ مشکوۃ المصابیح)

ترجمہ: "مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے قبل ہی مزدوری دیا کرو"

اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے انصر اخاک ظالماً او مظلوماً فقیل کیف ننصرہ ظالماً فقال منعک ایاہ من الظلم نصرۃ لہ (رواہ الشیخان)

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۵ پر)

یادرفتگان: مولانا عرفان الحق اظہار حقانی

استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ

حضرت مولانا اُسید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

سابق استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اس دنیائے فانی میں جو بھی آیا ہے اسے ایک دن جانا ضرور ہے۔

اگر دنیا بکس پائندہ بودے ابوالقاسم محمد (ﷺ) زندہ بودے

شیخ الحدیث حضرت مولانا اسید اللہ قدس سرہ بھی حضرت آدم علیہ السلام کی سنت پوری کرتے ہوئے ۲۵ مارچ ۲۰۰۹ء بروز بدھ بمطابق ۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ کو ۶۳ برس کی عمر میں دنیا سے منہ موڑ کر راہی دارِ آخرت ہوگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔موصوف دارالعلوم حقانیہ کے قدیم استاد اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ دامت برکاتہم کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ گزشتہ ایک سال سے جگر کے سرطان میں مبتلا تھے۔ تاہم اس موذی مرض میں مبتلا ہونے کے باوجود آپ کے چہرے کی رونق، تازگی اور معمولات میں کسی قسم کا فرق محسوس نہیں کیا گیا۔ اللہ والوں کی پہچان بھی یہی ہے کہ وہ موت اور اس کے اسباب سے گھبراتے نہیں بلکہ ہر آنے والی تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے حدیث رسول ﷺ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب (موت اپنے محبوب تک پہنچنے کے لئے ایک پل ہے) پر پختہ اعتقاد کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ حضرت بلالؓ صحابی رسولؐ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ آخری وقت میں ان کے اپنے رشتہ دار اور پرائے پاس بیٹھے رو رہے تھے، تو آپؓ نے فرمایا کہ کیوں روتے ہو؟ ہنسو، خوشی مناؤ، غم مت کرو۔ میں تو اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیؐ اور ساتھیوں سے ملنے والا ہوں۔ غداً القیٰ الاحبة محمدا و حزبه اسی قسم کی کیفیت مولانا اسید اللہؒ کی بھی تھی۔

قال اللہ اور قال الرسول ﷺ سے بھرپور زندگی کی قبولیت کا مظہر: آپ نے دارالعلوم حقانیہ میں ۱۲ برس تک تدریسی خدمات سرانجام دیئے۔ اس دوران جامع مسجد حقانیہ میں طلباء اور عوام کیلئے بعد از نماز عصر تفسیر قرآن کا درس دینا آپ کا معمول رہا۔ تبلیغی جماعت سے وابستگی اور لوگوں کو دین کی طرف رغبت دلانے میں بھی ایک طویل عرصہ سے مصروف عمل رہے۔ ساری زندگی قال اللہ اور قال الرسول ﷺ میں صرف کی اور اسکی قبولیت کا مظہر آپ کا وہ تاریخی جنازہ تھا جس میں صوبہ سرحد کے جنوبی، وسطی اور شمالی اضلاع سے بلامبالغہ ہزاروں علماء، محدثین، مفسرین، مبلغین، مشائخ، مقررین اور عوام و خواص نے شرکت کی۔ آپؒ نہ تو آبائی طور پر کوہاٹ سے تعلق رکھتے تھے اور نہ وہاں کوئی ظاہری رشتہ ناطہ تھا یعنی کوہاٹ میں آپ غریب الدیار تھے۔ باوجود اسکے کالاڈھاکہ سے تعلق رکھنے والے اس عظیم عالم

دین کا اس دنیا سے رخصت ہونے کا منظر قابل دید تھا۔ جس نے یہ ثابت کر دیا کہ اہل اللہ اور علماء لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں ان للہ ما اخذ وما اعطیٰ فلنصبر ولنحتسب اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ

اخلاق وصفات عالیہ: آپؒ معتدل اور ٹھنڈے مزاج کے مالک تھے۔ اکابر واسلاف کی طرح سادہ لباس، سادہ رہن سہن اور کفایت شعاری کا نمونہ تھے۔ فیاض لم یزل نے آپ کو زہد وتقویٰ، علم وعمل اور تواضع جیسی صفات عالیہ اور اخلاق حسنہ سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔

احقر نے مادر علمی حقانیہ کے اساتذہ کی تاریخ مرتب کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بھی احوال وکوائف لکھنے کے لئے سوالنامہ دیا جس پر آپ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شفقت ومحبت کے ساتھ داد دی۔ تاہم اپنی گوناگوں علمی و دینی تبلیغی وتدریسی مصروفیات کی بدولت جواب لکھنے سے قاصر رہے۔ وصال سے دو تین ماہ قبل احقر نے آپ کی عیادت کیلئے ٹیلیفون پر گفتگو کرتے ہوئے بعض احوال وکوائف ان سے زبانی قلمبند کئے۔ جو ذیل میں پیش قارئین ہیں:

نام ونسب: مولانا اسید اللہ بن مختار اللہ بن آزاد ولی۔ آپکے پردادا ''ملا کاکا'' کے نام سے علاقے کے مشہور بزرگ تھے

پیدائش: اندازاً ۱۹۴۷ء میں آزاد قبائل کا لاڈھا کہ کے موضع بل کوٹ میں پیدا ہوئے۔

قومیت: نصرت خیل

شکل وشباہت: سرخ وسفید نورانی چہرہ۔ موٹی موٹی آنکھیں۔ کالی اور سفید خوبصورت ملی جلی داڑھی۔ سر پر عمامہ مسکراتا چہرہ، درمیانہ قد، متواضعانہ چال۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے ابتدائی کتابیں کافیہ تک اپنے برادر بزرگ شیخ الحدیث مولانا مغفور اللہ صاحب سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم: منطق وحکمت میں مولانا رشید احمدؒ، علم معانی واصول میں مولانا لطف اللہؒ سے مارتونگ میں کسب فیض کیا۔

فراغت: ۱۹۶۹ء میں مولانا خان بہادر مارتونگ باباؒ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔

تدریس: تدریس کی ابتدا اپنی مادر علمی مظاہر العلوم مارتونگ میں کی۔ پانچ سال تک وہاں پڑھانے کے بعد زرگری کے مشہور مدرسہ میں تین سال پڑھایا۔ اسکے بعد جامعہ وانا وزیرستان میں چار سال تک علمی روشنی بکھیرتے رہے۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقرری: شوال ۱۳۹۸ھ کو دارالعلوم حقانیہ میں ۵۵۰ روپیہ مشاہرہ کے ساتھ تقرر عمل میں آیا۔ رمضان ۱۴۰۹ھ تک یہیں خدمات انجام دیتے رہے۔ حقانیہ سے جاتے وقت ۱۵۸۰ روپیہ مشاہرہ وصول کرتے تھے۔ (ان معمولی مشاہروں کے ذکر سے ان فناء فی اللہ لوگوں کی قناعت کے وصف کو ظاہر کرنا مقصود ہے)

دوران درس شرح جامی، کافیہ، حمد اللہ، شرح عقائد، ہدایہ شفعہ اور موطائین پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد تعلیم القرآن راولپنڈی اور تعلیم القرآن کوہاٹ میں بھی درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ آخری ایام میں موخر الذکر مدرسے میں بخاری شریف، ابوداؤد، بیضاوی اور توضیح وتلویح پڑھانے میں مصروف رہے۔

درس وتفسیر قرآن: فراغت کے بعد سے لے کر وفات تک مسلسل قرآن کریم کے درس وتفسیر کا سلسلہ جاری رکھا۔اس دوران طلباء وعلماء، مبلغین اور عوام وخواص کے سامنے ۳۴ مرتبہ قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل کی۔

تلامذہ: مشاہیر تلامذہ میں مولانا گل نصیب خان، مولانا خواجہ عبدالماجد، مولانا محمد امین دوست، مولانا امان اللہ حقانی، مولانا حامد الحق اور مولانا عبدالبصیر شاہ شامل ہیں۔

اولاد: چھ بیٹے ہیں جو سب کے سب بحمد اللہ حفاظ ہیں۔جن کے نام یہ ہیں۔مولانا وحید اللہ، مولانا ثناء اللہ، مولانا تقی اللہ، حافظ صفی اللہ، حافظ سلیم اللہ، حافظ رضوان اللہ اور تین بچیاں ہیں۔

تصنیف وتالیف: تصنیفات میں سلّم العلوم کی شرح رشد العلوم، ہدیۃ الملکوت شرح مسلم الثبوت اور تفسیر قرآن بنام رشید القرآن جو کہ تیرہ پاروں تک ہوسکا شامل ہیں۔

اسفار: ۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ شریف اور اسکے بعد ایک دفعہ عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔

تبلیغی جماعت سے وابستگی: ۱۹۷۲ء کو آپ تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوئے اور آپکی سعی سے ہزاروں لوگ اس دینی جدوجہد کی راہ میں نکلے۔بقول آپکے ایک دفعہ سال لگانے کا ارادہ کیا۔رائیونڈ پہنچے تو حاجی عبدالوہاب صاحب دامت برکاتہم امیر جماعت التبلیغ نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے تحریری اجازت لائیں تو تب ہی آپ کی تشکیل کی جائیگی۔تقریباً ۳۷ برس سے آپ کا ہر سال تبلیغی جماعت میں چلہ لگانے کا معمول رہا۔

دارالعلوم حقانیہ کے بارے میں بشارت منامی: سچے خواب اور مبشرات نبوت کا چھیالیسواں (۴۶) حصہ ہے اور جس خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہو اسکا کیا کہنا۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **من رانی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لایتمثل بی** ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا گویا کہ فی الواقعہ مجھے ہی دیکھا۔اس لئے کہ شیطان کو میری شکل وصورت بنانے کی طاقت نہیں ہے۔'' آئندہ پیش کئے جانے والے دو خوابوں میں اگر ایک طرف رسول اقدس ﷺ کی شفقت ومحبت وتوجہات کا مظہر حقانیہ معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے والے استاد محترم مولانا اسید اللہؒ کی عظمت وسعادت بھی ظاہر ہوتی ہے۔مولانا اُسید اللہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے زمانہ میں خواب دیکھا کہ 'روسی ٹینک اور فوجیں دارالعلوم حقانیہ پر حملہ آور ہیں مسجد کی جانب شمال میں طلباء دورۂ حدیث کے کمرے ان کا ہدف ہیں۔انکو گرانا اور یہاں تباہی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔مولانا صاحب خواب میں روسی دشمن کے یہ ناپاک اور بدترین عزائم اور خطرناک صورتحال دیکھ کر پریشان ہوجاتے ہیں۔اسی اضطراب اور پریشانی میں اچانک دارالعلوم کی مسجد کے صحن میں انہیں جناب حضور اقدس ﷺ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوجاتا ہے۔بے تابانہ انداز میں حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ یہاں کیسے تشریف لائے۔حضور ﷺ نے فرمایا: دیکھئے یہ منظر آپ کے سامنے ہے میں دارالعلوم کی حفاظت اور دفاع کرنے آیا ہوں۔''　کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل　نسیم سحر یہ تیری مہربانی ہے

شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی وفات سے قبل ان کی رحلت اور حقانیہ سے متعلق خواب:

اسی طرح مولانا اسید اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی وفات سے چند مہینے قبل ایک خواب میں دارالعلوم حقانیہ کی جامع مسجد دیکھی کہ اسکا بلند و بالا مینار اچانک گر کر ٹوٹ گیا۔ (یعنی شیخ الحدیثؒ کی وفات کی طرف اشارہ ہے) اسکے بعد دیکھتے ہیں کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ اور خلفاء اربعہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور، حضرت علی مرتضیٰؓ) ایک بڑا خیمہ اس ترتیب سے ہاتھ مبارک میں پکڑے ہوئے ہیں کہ بیچ میں حضور اقدس ﷺ اور چاروں کونوں پر خلفاء اربعہ ہیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس خیمہ کو حقانیہ کی مسجد کے اوپر پھیلا دو۔ (دارالعلوم حقانیہ کی عنداللہ قبولیت اور رسول اللہ ﷺ کی توجہات کی وابستگی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے)

وفات سے قبل آخری عمل: مولانا اُسید اللہؒ ایک عرصہ سے پشتو میں تفسیر قرآن کے مبارک کام میں مصروف و مشغول تھے۔ افسوس کہ یہ کام آپ کی زندگی میں پایہ تکمیل تک نہ پہونچ سکا۔ وفات سے ایک روز قبل بوقت عصر دماغی شریان بند اور بے ہوش ہونے سے پہلے اسی تفسیری کام میں منہمک تھے۔ اور اس دنیا فانی میں آپ کا آخری عمل سورۃ ابراہیم کی آیت نمبر ۱۴ کے کلمات ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید کی تفسیر کچھ اس طور پر لکھنا تھا کہ "مقام سے مراد اللہ کے حضور میں قیام ہے" یہ الفاظ لکھنے کے بعد آپ اللہ کے حضور اس دنیا کو چھوڑ کر روانہ ہو چلے۔ اللہ اکبر کیا قابل رشک موت ہے کہ قلم اور عمل دونوں میں توافق پیدا ہو گیا۔ رسول اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کا حشر اس حال میں کیا جائے گا جس حال میں وہ مرے ہوں گے۔ کل روز قیامت استاد محترم تفسیر کی خدمت بجالاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جنازہ میں حاضری کے موقع پر ان کے تفسیری مسودات دیکھنے کا موقع ملا اور میز پر رکھی ہوئی کتابوں کی ہیئت اور کیفیت بھی ملاحظہ کی جس سے یوں معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گیا ہے اور واپس دوبارہ آ کر کام کی تکمیل کرے گا۔ میز پر تفسیری کام کیلئے تفسیر کشاف، تفسیر عثمانی، تفسیر قرطبی، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر الخطیب، تفسیر بیان القرآن، تفسیرِ معالم العرفان، اور پشتو تفسیر دار منگی وغیرہ کھلی ہوئی رکھی تھیں۔

نماز جنازہ اور تعزیتی خطاب: ۲۴ مارچ کو بعد از عصر بے ہوشی کے عالم میں آپکو اسلام آباد کے پمز ہسپتال پہنچایا گیا لیکن آپ جانبر نہ ہو سکے اور اسی حالت میں صبح ساڑھے نو بجے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ نماز جنازہ مختصر وقفے کے بعد عصر کو ساڑھے پانچ بجے راولپنڈی کوہاٹ روڈ پر واقع وسیع و عریض عیدگاہ میں مولانا سمیع الحق کی امامت میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ سے قبل مولانا سمیع الحق مدظلہ نے جنازہ میں شرکت کرنیوالوں کے سامنے تعزیتی خطاب فرمایا۔ جسمیں موصوف کے اوصاف عالیہ، علم پروری اور اخلاق اور مقبولیت کا ذکر فرمایا۔ تحریر کا اختتام اس سعدیؒ کے شعر پر کرونگا۔ دولت جاوید یافت هر که نیکو نام زیست کز عقبش نکر خیر زنده کند نام را

حضرت مولانا حسین احمد حقانی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل جامعہ دارالعلوم حقانیہ و مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن حقانیہ کراچی

روحانی باپ استاد کے ساتھ ہر شاگرد کی محبت وعقیدت ہوتی ہے۔تاہم استاد کی خدمت کی عظیم سعادت کسی کسی کے نصیب میں آتی ہے۔دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ محض کتابوں کے پڑھ لینے سے علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے ''پیش مرد کامل پامال شو'' پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔نیز استاد کا ادب واحترام ہمہ وقت ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔بے اعتنائی فیوضات کے حصول کی راہ میں سنگ گراں بنتی ہے۔اس سلسلے کا ایک واقعہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکثر بیان فرماتے کہ حضرت شمس الائمہ امام سرخسیؒ کا ایک علاقہ میں جانا ہوا' وہاں ان کے تلامذہ ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوئے مگر ایک شاگرد بہت دیر سے آیا اور عذر کیا کہ والدہ کی علالت اور تیمارداری کی وجہ سے حاضری میں تاخیر ہوئی۔تو استاد نے فرمایا کہ انہیں عمر تو بہت ملے گی مگر علم میں برکت نصیب نہ ہوگی۔یعنی والدین کی محبت کی خاصیت یہ ہے کہ عمر بڑھ جائے گی اور استاد کی خدمت میں بے اعتنائی کی وجہ سے علم کی برکت میں محرومی پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ اس شخص کو ایک سو بیس برس کی عمر ملی۔تاہم اس سے کسی کو فیض نہ پہنچا۔

ہرکہ خدمت کرد او مخدوم شد ہرکہ خود را دید او محروم شد

حضرت مولانا حسین احمد حقانیؒ ایسے ہی چند گنے چنے فضلائے حقانیہ میں شامل ہیں جنہوں نے اپنے اساتذہ اور خصوصاً شیخ الحدیثؒ کی بے لوث خدمت کو حرز جاں بنالیا تھا۔ جدِ محترم شیخ الحدیثؒ نے آپ کے خلوص اور بے لوث خدمت کا اعتراف ایک دفعہ کچھ یوں کیا کہ میرے چار بیٹے ہیں اور اب پانچواں حسین احمد ہیں۔استاد کی توجہات و دعوات صالحہ نے آپ سے ہر میدان میں بڑا کام لیا۔موصوف خانوادہ حقانی کے ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ محبت' شفقت اور انتہائی عقیدت سے پیش آتے تھے۔احقر کو خوب یاد ہے کہ جب پہلی دفعہ کراچی جانا ہوا تو آپ نے بڑے اہتمام اور شایان شان استقبال کے ساتھ نہ صرف اپنے قائم کردہ مدرسہ بلکہ کراچی بھر کے بڑے بڑے دینی مدارس جیسے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن' جامعہ فاروقیہ' اور دارالعلوم کراچی کا معائنہ کروایا اور ان اداروں کے مہتممین بقیۃ السلف حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ' مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر' مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ اور دیگر بڑے علماء سے ملاقاتیں بھی کروائیں۔اس موقع پر یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مفتی شامزئی شہیدؒ کے علم کی تکمیل میں مولانا موصوف کا بڑا عمل دخل ہے اور وہ اس طرح کے طالب علمی کے دوران حوادث زمان کی وجہ سے ان علم کے حصول کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا تھا جو بعد میں مولانا حسین احمد کی ترغیب وتشویق کے ذریعے چل پڑا۔افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ آج یہ علم وعمل کا گوہر اس دنیا میں نہ رہا۔ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر آپ کی عظمت ورفعت اور کمال شان کی باتیں تو

بہت ہیں تاہم ان کا مختصر سوانحی خاکہ پیش ہے:

پیدائش وخاندانی پس منظر: حضرت مولانا حسین احمد ضلع سوات کے علاقہ دندنی گاؤں تختہ میں ۱۹۴۶ء کو ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا حسن المآبؒ ایک بلند پایہ صوفی اور بزرگ عالم دین تھے۔ جنہوں نے سمرقند و بخارا کے علمی مراکز سے کسب فیض کیا۔ اور آپ کے تلامذہ میں مشہور زمانہ منطقی عالم حضرت مولانا خان بہادر مارتونگ باباؒ اور علم وادب کے مشہور عالم دارالعلوم دیوبند کے فاضل مولانا محمود الحسن میرویؒ جیسے علماء شامل ہیں۔

تعلیم اور حقانیہ سے فراغت: ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد اور بڑے بھائی فاضل حقانیہ حضرت مولانا عبدالقادر مدظلہ سے پڑھیں۔ ۱۹۵۷ء کو بڑے بھائی کی رفاقت میں دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا اور ۹ برس تک مسلسل یہاں تعلیم پانے کے بعد ۱۹۶۵ء کو فراغت پائی۔ دوران تعلیم و تعلم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق ؒ کی قربت اور خدمت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

کراچی میں سکونت: فراغت کے بعد نجی اور ذاتی کام کے سلسلے میں کراچی جانا ہوا تو وہاں ایک دینی ادارے ''تبلیغی کالج'' میں تدریس کی پیشکش ہوئی جسے آپ نے قبول کیا اور پھر کراچی کے ہوکر رہ گئے' تدریس کے علاوہ رحمانی مسجد سوات کالونی میں امامت وخطابت کے فرائض بھی نبھاتے رہے اور یہ سلسلہ تادم وفات جاری رہا۔

دینی' سیاسی' تنظیمی ورفاہی خدمات: جمعیت علماء اسلام' تحریک ختم نبوت' سواداعظم' تنظیم فضلائے حقانیہ اور اصلاحی تنظیم ''اہل حق'' وہ میادین ہیں جن میں آپ نے بھرپور دینی' سیاسی' تنظیمی اور رفاہی خدمات انجام دیئے۔

دارالعلوم تعلیم القرآن حقانیہ کراچی کا قیام: کراچی کے بلدیہ ٹاؤن کے معززین واہل ثروت حضرات نے مل کر مولانا حسین احمد حقانی سے مدرسہ کے قیام کا مطالبہ کیا جسے بھرپور اصرار کے بعد منظور فرماتے ہوئے آپ نے ۱۹۸۴ء میں ''دارالعلوم تعلیم القرآن حقانیہ'' کے نام سے اس علاقہ میں اولین مدرسہ کا آغاز فرمایا۔ جس کا نام بقول آپؒ کے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ نے تجویز فرمایا۔ آپؒ کے حسن انتظام واہتمام کی بدولت آج کل اس مدرسہ کا شمار ممتاز اور اہم مدارس میں ہوتا ہے۔ جہاں شعبہ بنین میں درجہ موقوف علیہ اور شعبہ بنات میں دورۂ حدیث تک احسن طریقے سے تدریس جاری ہے۔

اولاد: آپکے پسماندگان میں ۳ بیٹیاں اور ۴ بیٹے مولانا محمود الحسن حقانی' فاضل دارالعلوم حقانیہ' مولانا شمس العلوم فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی۔ مولانا رشید احمد فاضل جامعہ فاروقیہ اور وسیم احمد طالب علم درجہ اولیٰ شامل ہیں۔

وفات اور اس سے قبل کی حالت: آپؒ کو ایک عرصہ سے دل اور گردوں کے امراض لاحق تھے۔ گزشتہ سال ماہ رمضان میں عمرہ ادا کیا اور پورا رمضان حرم شریف میں گزارنے کی سعادت حاصل کی۔ واپسی پر اپنے گاؤں تشریف لائے جہاں مرض بڑھتا گیا۔ وفات کے روز تمام رشتہ داروں کو جمع فرما کر اجتماعی دعا کی۔ ورثاء دوست

و احباب اور مقتدیوں سے حقوق کی معافی طلب کرنے کا کہا پھر فرمایا کہ مالک مکان کہہ رہا ہے کہ کرایہ کا مکان خالی کردو اور سامنے اپنے بنگلہ میں جاؤ اسلئے میں اپنے بنگلہ میں جارہا ہوں۔ روایات کی رو سے اگر دیکھا جائے تو ہر انسان کو موت سے قبل اس کا اخروی ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے۔ شاید انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنا ٹھکانہ (بنگلہ) دکھا دیا۔ سورج کے غروب ہوتے ہی ۶۳ برس کی عمر میں آپ کی زندگی کا سورج بھی غروب ہوگیا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

نمازِ جنازہ اور حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تعزیت: نمازِ جنازہ اگلے دن آپ کے برادر بزرگ مولانا عبدالقادر حقانی نے پڑھائی۔ جس میں علاقہ اور گردونواح سے کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ خانوادہ حقانی کیساتھ آپ اور آپ کے خاندان کا جو تعلق وعقیدت کا سلسلہ تھا وہ اس بات کا متقاضی تھا کہ آپ کی نماز جنازہ میں بھرپور شرکت کی جاتی، لیکن افسوس کہ وفات کی اطلاع دیر سے موصول ہونے کیوجہ سے رسائی ممکن نہ ہوسکی۔ تاہم تیسرے روز دارالعلوم حقانیہ کا ایک نمائندہ وفد جس میں احقر کے علاوہ برادر محترم مولانا لقمان الحق مدرس دارالعلوم حقانیہ، مولانا سید صاحب حسین حقانی اور مولانا افتخار الحق صدیقی شامل تھے، تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لئے مرحوم کے گاؤں تختہ گیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں بھی مرحوم کے لئے اجتماعی دعائے مغفرت و رفع درجات کی گئیں اور ختمات قرآن کئے گئے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ سفر پر ہونے کی وجہ سے ۱۹ر فروری ۲۰۰۹ء کو کراچی میں ان کے قائم کردہ مدرسہ تعلیم القرآن تعزیت کے لئے تشریف لے گئے جہاں موصوف کی یاد میں منعقدہ جلسے سے خطاب فرمایا۔ دارالعلوم حقانیہ اور خانوادہ حقانی اس غم اور سانحہ میں مرحوم کے فرزندان، برادر بزرگ مولانا عبدالقادر حقانی و جملہ ورثاء کے ساتھ دل و جاں سے برابر کے شریک ہیں۔ اللھم اغفرہ

بقیہ صفحہ ۴۸ سے: ترجمہ: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو عرض کیا گیا یارسول اللہ بھائی اگر ظالم ہو تو اس کی کیسے مدد کریں؟ فرمایا اسے ظلم سے روکنا مدد ہے''

بچوں کے حقوق: والدین اور دیگر مخلوقات کے ساتھ اسلام میں بچوں کے واضح حقوق متعین ہیں۔ احادیث نبویؐ کی رو سے بچوں کے حقوق خمسہ کا سراغ ملتا ہے۔ ان حقوق خمسہ میں سے تعلیم وتربیت اور بلوغت تک نان ونفقہ مہیا کرنے کی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں بچوں سے مشقت لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ والدین کی عدم موجودگی کے قریبی اعزاء اور پھر پورے اسلامی معاشرے پر عائد ہوتا ہے۔ تربیت سے متعلقہ ذمہ داریوں میں سے بچوں کے اخلاقی' ایمانی' جسمانی' روحانی اور نفسیاتی لحاظ سے بہتر واکمل تربیت کا فریضہ والدین پر آجاتا ہے۔ ازروئے حدیث بچوں میں صنفی امتیاز کی بھی گنجائش نہیں۔ اور مزید یہ کہ حضورؐ نے مسلمان مرد کو اپنے کنبے کا ذمہ دار قرار دیا ہے اور اس کے اہل وعیال کو اس کی رعیت گردانا ہے۔ حدیث شریف رعیت سے متعلق پوری ذمہ داری کا مطالبہ کرتا ہے۔(بحوالہ مشکوۃ المصابیح)

(۲) مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی

فضلائے حقانیہ کی تالیفی، تصنیفی اور اشاعتی خدمات

مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی 'فضلاء حقانیہ کے علمی' ادبی' تحریری' تصنیفی اور تالیفی خدمات پر کام کر رہے ہیں۔۔علم و ادب' تحریر اور تصنیف و تالیف سے شغف رکھنے والے تمام فضلاء حقانیہ سے درخواست ہے کہ اپنا مختصر تعارف' خدمات اور تصنیفات و تالیفات کا تعارف مولانا موصوف کے نام بھیجیں تاکہ وہ اس عظیم تاریخی کام کو بہ سہولت آگے بڑھا سکیں۔رابطہ ایڈریس: مولانا سید حبیب اللہ شاہ حقانی' رُکن القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ ------- (ادارہ)

مولانا امین الحق کستوئی حقانی

مولانا امین الحق کستوئی حقانی ضلع ژوب بلوچستان کے معروف و مشہور بزرگ پیر طریقت حضرت عبدالحق کستوئی کے گھر پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی، پھر ژوب اور کوئٹہ کے علماء سے مختلف علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔

درسِ نظامی کی تکمیل کیلئے ۱۹۷۷ء میں جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور چار سال تک پڑھنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔اس دوران آپ اپنے محبوب اساتذہ کے بہت ہی قریب رہے اور ان کی خدمت میں کوئی فروگذاشت نہیں چھوڑی۔بالخصوص محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے ساتھ قریبی تعلق رکھا۔شیخ الحدیثؒ نے از خود اپنے گھر بلا کر اپنے رومال سے دستار بندی فرمائی اور دم و تعویذ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

مولانا کستوئی کا تعلق چونکہ ایک روحانی اور خانقاہی خاندان سے ہے۔اس لئے روحانی اصلاح' تصوف و سلوک اور خدمتِ خلق آپ کا ہدف ہے۔اللہ تعالیٰ نے بذلہ سنجی کا ایک ایسا ملکہ عطا فرمایا ہے کہ جب کسی محفل میں ہوتے ہیں تو تمام محفل پر چھا جاتے ہیں۔مولانا کو اللہ نے تصنیف و تالیف کا ملکہ بھی عطا فرمایا ہے۔خود تحریر فرماتے ہیں کہ ''میرا تصیف و تالیف کے میدان میں آنا اُستادِ مکرم مولانا سمیع الحق مدظلہ کی تشجیع و حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہوا''۔

مولانا خود اپنے تصنیفی و تالیفی خدام کو دارالعلوم حقانیہ اور یہاں کے اساتذہ بالخصوص شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی دُعاؤں کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔اب تک مولانا کے قلم سے ایک درجن سے زائد تصنیفات نکلی ہیں۔

۱۔عجائب قرآن : اس کتاب میں مولانا مدظلہ نے قرآن مجید کی تعریف، وحی کی تعریف، وحی کی اقسام، معجزہ اور سحر میں فرق، کتاب اللہ اور کلام اللہ میں فرق، قرآن مجید کے علمی عددی اعجاز، قرآن مجید میں عجمی الفاظ

کی تحقیق، عجمی الفاظ کے معلوم کرنے کے فوائد اور اس کے علاوہ قرآن مجید کے اور بہت سے عجائب و مضامین جمع کئے ہیں۔ یہ کتاب مولانا گستوئی نے بلوچستان کی پشتو میں لکھی تھی۔ احقر راقم الحروف نے اپنے محبوب استاد مولانا عبدالقیوم حقانی اور مولانا گستوئی کے حکم پر پشاوری پشتو اور اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اب ہمارے محترم دوست ڈاکٹر میجر (ر) مقدس اللہ صاحب انگریزی میں ترجمہ کرر ہے ہیں۔ کسی کتاب کی مقبولیت کے یہ کافی ہے کہ ایک سال میں چار زبانوں کے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکلیں۔ کتاب پر رسائل و جرائد کے علاوہ کوئٹہ بلوچستان کے ریڈیو نے بھی تبصرہ کیا ہے۔ بہرحال نہایت مفید اور نافع کتاب ہے۔ علماء و طلباء اور عوام کے لئے یکساں مفید ہے۔

۲۔ فضائل و مسائل جمعہ: مولانا گستوئی کی قلم سے سب سے پہلے یہی کتاب نکلی ہے۔ کتاب کے انتساب میں تحریر فرماتے ہیں : گرازچہ نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ام درریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستۂ ام

محدث جلیل، استاد العلماء، قائد شریعت، شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے نام !

جو احقر کے مربی و شیخ، مرکز علم دار العلوم حقانیہ کے بانی و مہتمم، جہادِ افغانستان کے حامی و سرپرست، تحریک نفاذ شریعت کے داعی اور اپنے وقت کے عظیم محدث تھے۔ جن کی شفقت اور دُعاؤں کی برکت سے اس گنہگار کو علم اور خدمتِ دین سے انتساب کی سعادت حاصل ہوئی''۔

مولانا موصوف نے اپنے علمی تحقیق اور ہمہ جہتی مطالعہ اور محنت و مشقت کر کے جمعہ کے فضائل و مسائل پر جامع کتاب لکھی۔ جس میں مولانا سمیع الحق مدظلہٗ اور مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہٗ کی وقیع تحریرات بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب پہلی دفعہ مؤتمر المصنفین سے شائع ہوئی اور دو دفعہ القاسم اکیڈمی سے چھپی۔ عام فہم، سلیس اور آسان انداز میں علماء، طلباء اور عوام الناس کے لئے یکساں مفید ہے۔

۳۔ زاد الفقیر شرح اردو نحو میر: آج سے تقریباً بتیس (۳۲) سال قبل جب مولانا مدظلہٗ دار العلوم حقانیہ سے سندِ فراغت حاصل کر کے گاؤں تشریف لے گئے تو انہی ایام میں مولانا نے فرصت کو غنیمت جان کر نحو میر پر ایک مبسوط شرح لکھی، مگر تیس سال تک وہ صرف ان کی الماری کی زینت بنی رہی۔ اب بحمدللہ دو سال قبل شائع ہوئی ہے، اور کسی مصنف و مؤلف کے لئے یقیناً یہ خوشی کی بات ہوتی ہے کہ ان کی حیات میں ان کی قلمی کاوش منظر عام پر آجائے اور عوام و خواص میں مقبول بھی ہو۔ چنانچہ یہی معاملہ مولانا موصوف کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ بڑے بڑے علماء نے اس پر تقاریظ لکھے ہیں اور رسائل و جرائد نے بھی بہت اچھے تبصرے کئے ہیں۔ مولانا عبدالقیوم حقانی کتاب کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں :

''مولانا صاحب کا ایک خاص اندازِ تدریس ہے۔ اسی طرح ان کا اپنا ایک خاص اندازِ تصنیف بھی ہے سمجھانے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ہنس مکھ ہیں اور لطائف میں اور روزمرہ کے امثال میں اصل مسئلہ سمجھا دیتے ہیں۔ زاد الفقیر اسی نہج پر مولانا کی ایک بہترین کاوش ہے''۔

یہ کتاب ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، دو دفعہ القاسم اکیڈمی سے چھپی ہے، اب تیسری مرتبہ اشاعت کیلئے پھر پریس جارہی ہے

۴۔ الفتح المبین شرح مفید الطالبین : مفید الطالبین ابتدائی طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ لطائف وظرائف، واقعات و حکایات اور ضرب الامثال میں ایک بہترین تربیتی کتاب ہے۔ مولانا گستوئی نے اس کی بھی ایک جامع اور مبسوط شرح لکھی ہے۔ ہر ضرب المثل ومقولہ کا ترجمہ، تشریح، لغوی تحقیق اور اسکے متعلق علماء کے اقوال، اشعار اور نحوی قواعد ذکر کئے ہیں۔ ۳۲۲ صفحات پر مشتمل اس شرح میں مولانا ظاہر شاہ حقانی اور مجھے بھی کام کرنے کی سعادت حاصل رہی ہے

۵۔ تذکرہ وسوانح حضرت عبدالحق گستوئی : مولانا موصوف کے والد گرامی حضرت عبدالحق نقشبندیؒ بہت بڑے بزرگ، ولی اور صاحب کشف وکرامت تھے۔ آپکی زندگی کے حالات وواقعات اگرچہ علاقوں کے لوگوں میں معروف ہیں، مگر آئندہ نسلوں کیلئے مولانا موصوف نے ان کے زُہد وتقویٰ، استغناء، علم تصوف پر مکمل عبور، عجیب وغریب واقعات اور کرامات جمع کئے ہیں، جسے پڑھ کر علمی اور روحانی نفع یقینی ہو جاتا ہے۔ مولانا ظاہر شاہ حقانی نے اس کتاب میں بھی اپنے والد کیساتھ معاون ومرتب کے طور پر کام کیا ہے۔ گویا کہ اس کتاب کے ذریعے مولانا نے اپنے والد کی شخصیت کو زندہ اور اُجاگر کیا۔ ۲۳۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب خانقاہ گستوئیہ حضرت کلے ژوب بلوچستان سے شائع ہوئی ہے

۶۔ مسائل سلوک : علم تصوف اور سلوک وطریقت کے مسائل پر مشتمل کتاب ہے جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی ہے، پریس جارہی ہے۔

۷۔ مجرباتِ گستوئی : مولانا مدظلہٗ کو والد گرامی حضرت عبدالحق نقشبندیؒ کے علاوہ محدثِ کبیر شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے بھی بعض عملیات وتعویذات میں اجازت حاصل ہے اور اسے مولانا موصوف خدمتِ خلق کے طور پر کررہے ہیں اور بحمد للہ بہت سے مریض ان سے شفایاب ہوئے ہیں۔ ان ہی عملیات وتعویذات کو یکجا کرنے کی ضرورت اشد محسوس ہورہی تھی۔ مولانا موصوف نے کثیر مشاغل ومصروفیات کے باوجود ان کو مرتب کر دیا ہے۔

۸۔ مسجد الحرام کا تاریخی اور تحقیقی جائزہ : یہ کتاب کراچی میں مولانا موصوف کے کسی دوست نے لکھی تھی۔ جو انہوں نے مولانا کے حوالے کی۔ مولانا نے نئی ترتیب، حواشی اور وقیع مقدمہ کے ساتھ شعبۂ تصنیف وتالیف خانقاہ گستوئیہ ژوب سے شائع کردی ہے۔

۹۔ تسہیل مشکلات الہدایہ : فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے مشکل مقامات کی تسہیل کے ساتھ مختصر مگر جامع شرح مولانا موصوف کے زیر ترتیب ہے، اور آخری مراحل میں ہے۔

۱۰۔ التوضیح الشافی لدلائل الأحناف فی أصول الشاشی : مولانا مدظلہٗ کو خداوندِ قدوس نے تمام علوم وفنون میں بے مثال ملکہ عطاء فرمایا ہے، علم الأصول تو گویا ان کی گھٹی کی چھری ہے، درجہ ثالثہ میں پڑھائی جانے والی کتاب اصول

شاشی میں احناف کے جتنے دلائل ہیں، اس کی توضیح وتشریح ہے، علم اصول کے تمام کتب کا نچوڑ کہنا چاہئے۔

۱۱۔ مشکلات القرآن : مشکلات القرآن کے موضوع پر بھی ایک رسالہ زیر تالیف ہے۔

۱۲۔ پٹھانوں کی روایات شریعت کی روشنی میں : پشتون، پٹھان من حیث القوم ایک دیندار قوم ہے۔ تاریخی لحاظ سے بھی بہادر اور دلیر اور علمی روایات کی امین قوم ہے۔ مولانا موصوف نے پٹھانوں کے رواجات وروایات کو جمع کر کے شریعت سے موازنہ کیا ہے۔ اسلئے کہ انکے اکثر افعال شریعت کے عین مطابق ہیں اور انہیں پتہ بھی نہیں کہ یہ اسلام ہے

۱۳۔ علمی جواہر : وسعتِ مطالعہ اور تبحر علمی میں مولانا مدظلہٗ اپنے اساتذہ بالخصوص مشائخ حقانیہ کے پرتو اور نظیر ہیں۔ دورانِ مطالعہ جو بات اچھی معلوم ہوئی، اسے نوٹ کر دیا، علمی نکات، لطائف وظرائف کا ایک حسین مجموعہ، جس میں مولانا مدظلہٗ کی ظریفانہ طبیعت کی ظرافت اور نصف صدی کے تجربوں کی تجوریاں بھی ہیں۔ ابھی زیر ترتیب ہے، خدا کرے جلد شائع ہو۔

۱۴۔ مسنون دُعائیں : صبح وشام اور روزمرہ کی مسنون دُعاؤں کا مجموعہ ۱۴۵ صفحات پر مشتمل شعبۂ تصنیف و تالیف خانقاہ گستوۂ ژوب سے شائع ہوئی۔

۱۵۔ فضائل درود شریف واستغفار : درود شریف کے برکات، فضائل اور درود شریف کے الفاظ جو احادیث میں وارد ہیں۔ استغفار کے فضائل اور روزانہ استغفار منزل بہ منزل۔ ۱۱۸ صفحات پر مشتمل شعبۂ تصنیف وتالیف خانقاہ گستوۂ ژوب نے شائع کی ہے۔

مولانا مدظلہٗ مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے قابلِ فخر فرزند ہیں۔ ان کے مضامین بھی الحق والقاسم میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا موصوف اپنی ان تمام کوششوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''والد کریمؒ کی دُعاؤں اور قاری ثناء الحق صاحب کے اصرار نے دارالعلوم دیوبند کے بعد جنوبی ایشاء کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی مرکز علم دارالعلوم حقانیہ کے پُرانوار ماحول میں پہنچا دیا اور پانچ سال تک دارالعلوم میں اکابر اساتذہ، مشائخ اور جید افاضل سے بھرپور استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ بالخصوص محدثِ کبیر، قائد شریعت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق بانی ومہتمم دارالعلوم حقانیہ کے درسِ حدیث، نجی مجالس، مستجاب دُعاؤں، خصوصی شفقت وعنایت اور کرم فرمائیوں کا یہ ثمرہ مرتب ہوا کہ آج بندہ سے اللہ تعالیٰ تھوڑی بہت دین کی خدمت لے رہا ہے۔'' واقعہ بھی یہی ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ.

خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

ادارہ

افکار و تاثرات

جناب مدیر محترم صاحب! السلام علیکم۔

ملکی صورتحال جس نہج پر دن بدن جارہی ہے اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ بدقسمت پاکستانی قوم اپنی منزل سے ہر روز دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ پاکستانی قوم اور خصوصاً صوبہ سرحد کے پختون عوام ان دنوں شدید مصائب اور مشکلات سے دوچار ہیں۔ امریکہ آئے روز ڈراون حملوں کے ذریعے قبائلی علاقوں میں درجنوں معصوم افراد کو شہید کررہا ہے' اوپر سے پاکستانی فوج بھی مختلف علاقوں میں انتہا پسندوں کے ساتھ جھڑپوں میں مصروف ہے' اس میں بھی عوام ہی نشانہ بن رہے ہیں۔ پھر طالبان کے نام سے جو مختلف گروپس حکومت سے لڑ رہے ہیں اس میں بھی بدقسمتی سے سب سے زیادہ نقصان بدنصیب پاکستانیوں اور خصوصاً پختونوں کا ہو رہا ہے۔ اغواء برائے تاوان کا ہدف بھی یہی لوگ ہیں اور خودکش دھماکوں کا شکار بھی یہی عوام ہیں۔ ان حالات کے سدھارنے کے لئے حکمرانوں سے کوئی توقع اور کوئی امید نہیں۔ پھر ظلم یہ ہے کہ مسلک دیوبند کی نام لیوا مذہبی کم اور سیاسی جماعت زیادہ جمعیت کے کرتا دھرتا بھی اس ساری صورتحال پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ انہیں یہ ہر طرف لگی آگ نظر نہیں آرہی۔ صرف اور صرف مفادات اور وزارتیں ہی ان کا اصل ہدف ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ زرداری جیسے امریکی پٹھو کی نہ صرف ترجمانی بلکہ اس حکومت کا مکمل دفاع بھی یہ لوگ اسی تنخواہ پر کررہے ہیں۔ ان حالات میں مسلک دیوبند اور خصوصاً ملکی صورتحال کی بہتری کے لئے کہیں سے بھی کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی۔ خدارا ! آپ حضرات اس ناامیدی اور مایوسی کی فضا کو بہتر کرنے کے لئے کچھ حقیقی اقدامات اٹھائیں کہ امت اور مسلک میں کچھ جان آئے۔

والسلام : طالب دعا ۔ منظور حسن (سرگودھا)

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم! ماہنامہ "الحق" کے سلسلہ میں چند معروضات اور تجاویز پیش خدمت ہیں۔ ماہنامہ الحق کافی عرصہ سے باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ کبھی کبھی یہ لیٹ ہو جاتا ہے آپ حضرات کوشش کریں کہ یہ بروقت انگریزی مہینے کے درمیان ہی میں قارئین تک پہنچ جایا کرے' دوسرا اس میں کئی مضامین بڑے طویل صفحات کا احاطہ کرتے ہیں۔ کوشش کریں کہ ۸۔۱۰ صفحات مضمون میں آجائے' مثال کے طور پر فروری' مارچ کا شمارہ "قرآن عظیم اور کائناتی مخلوق" جو ۱۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو قسط وار شائع کیا جاتا تو بہتر ہوتا نیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر اکابرین دیوبند کے ملفوظات وغیرہ بھی آپ شائع کریں کیونکہ یہ عام آدمی کے دسترس سے باہر ہیں اور ہر شخص اسے خرید نہیں سکتا۔ والسلام : محمد نسیم بیگ

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی مصروفیات: ۱۰/اپریل ۲۰۰۹ء کو یادگار اسلاف حضرت مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ نے مہتمم صاحب حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو خصوصی طور پر یاد فرمایا۔ اور کئی اہم ملکی مسائل اور موجودہ کشیدہ صورتحال پر آپ سے خصوصی مشاورت کی۔ اس کے بعد آپ لاہور تشریف لے گئے اور وہاں ہمدرد ہال میں جمعیت علماء اسلام کے صوبائی جنرل سیکرٹری مولانا عبدالرؤف فاروقی کے زیر اہتمام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم کے خدمات اور تعارف پر منعقدہ سیمنار میں خطاب کیا' اس کے بعد شام کو عالمی ختم نبوت کانفرنس واقع شاہی مسجد لاہور کے اجتماع میں شرکت کی۔ اور اس موقع پر آپ نے ایک پُر مغز اور جامع تقریر فرمائی' جسے ملک کے اہم ٹی وی چینلز نے براہ راست بھی نشر کیا۔ ۱۲/اپریل کو مولانا مدظلہ نے سوات کے بارے میں شرعی نظام عدل ریگولیشن کے تحفظ اور دفاع کے بارہ میں سیمنار سے خطاب کیا' جس کا اہتمام جمعیۃ علماء اسلام لاہور نے کیا تھا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ ومجلس شوریٰ کا اجلاس: وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مجلس عاملہ ومجلس شوریٰ کے اجلاس ۹/۸ /اپریل ۲۰۰۹ء کو مرکزی ہیڈ آفس ملتان میں زیر صدارت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب منعقد ہوئے۔ جس میں عاملہ اور شوریٰ کے ارکان اور وفاق کے مرکزی نائب صدر و نائب مہتمم جامعہ حقانیہ حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب نے شرکت کی۔ وفاق جس میں شامل مدارس کی تعداد بارہ ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔ بیس لاکھ طلباء زیر تعلیم ہیں۔ تعداد کے بڑھنے کے ساتھ مسائل بھی نئے نئے پیدا ہونا لازمی مسئلہ ہے۔ جس کی وجہ سے عاملہ کا اجلاس صبح دس بجے سے شروع ہو کر رات بارہ بجے تک جاری رہا۔ یہی کیفیت شوریٰ کے اجلاس جس میں ملک کے طول وعرض سے سینکڑوں ارکان شوریٰ نے شرکت کی۔ جامعہ دارالعلوم حقانیہ کی نمائندگی مدرس جامعہ حقانیہ وایڈیٹر الحق مولانا راشد الحق حقانی نے کی۔ اہم فیصلوں میں سے ایک فیصلہ یہ بھی ہوا کہ امسال سابعہ یعنی موقوف علیہ کا سالانہ امتحان بھی تجرباتی طور پر وفاق لے گا۔ نیز بنات کا چار سالہ کورس حسب سابق پڑھایا جائے گا۔ مگر فراغت کے ساتھ اب بچیوں کو عالیہ کی بجائے عالیہ کی سند دی جائے گی اس کے علاوہ اور بھی کئی اہم فیصلے کئے گئے۔

ملکی صورتحال کے بارہ میں ختم بخاری شریف کی تقریب: ۱۴/اپریل کو ملک اور قوم کو درپیش تشویشناک صورتحال بالخصوص دینی اور مدارس دینیہ کے بارہ میں دشمنوں کے عزائم سے حفاظت کیلئے دارالحدیث میں بخاری شریف کا ختم کیا گیا۔ آفات وبلیات سے حفاظت کیلئے دعائیں کی گئیں اس موقع پر حضرت مہتمم صاحب نے بالتفصیل خطاب کیا اور مدارس کو کسی بھی قسم کی شرانگیز حرکات سے محفوظ رکھنے کی تلقین کی' حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب' مولانا انوار الحق صاحب' مولانا مغفور اللہ' مولانا نصیب خان' مولانا مفتی سیف اللہ ودیگر اساتذہ نے خطاب کیا۔

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

کے دو خاص نمبر جو اپنی نوعیت کے منفرد مندرجات اور فکر انگیز مواد کے حامل ہیں

حکمت بالغہ دسمبر 07ء	حقیقت انسان نمبر

حرف آرزو

حصہ اول — حقیقت انسان فکر انسانی کے آئینہ میں

حصہ دوم — حقیقت انسان قرآن وسنت کی روشنی میں

حصہ سوم — حقیقی انسانی زندگی کے تقاضے اور لوازم

حکمت بالغہ اگست 08ء	حقیقت علم نمبر

فرمان خداوندی — حرف آرزو

پہلا حصہ : مشاہدہ — تجربہ اور عقل — دوسرا حصہ : تجرباتی علوم پر تعقل کی حکمرانی

تیسرا حصہ : سوشل سائنسز کی تشکیل و ترقی

چوتھا حصہ : فکر مغرب کا فطری اساسات سے انحراف اور اس کے تباہ کن نتائج

پانچواں حصہ : پس چہ باید کرد؟ — علاج

اہل علم واہل ذوق حضرات کے ہاتھوں میں پہنچنے کے منتظر ہیں

محدود تعداد میں میسر ہیں اور درج ذیل پتہ سے حاصل کیے جا سکتے ہیں

فی شمارہ
پچاس روپے
کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر
طلب فرمائیں

ماہنامہ حکمتِ بالغہ جھنگ

قرآن اکیڈمی

لالہ زار کالونی نمبر 2 ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

فون: 047-7628561-7628361

ادارہ

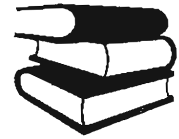

تعارف تبصرہ کتب

نام کتاب: کتاب الفتاوی (مکمل چھ جلد) افادات: حضرت العلامہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجد کم
قیمت: -/۱۵۰۰ ناشر: زمزم پبلشرز کراچی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ایک ممتاز عالم دین اور معروف اہل قلم ہیں۔ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن رکین اور ہند اسلامک فقہ اکیڈمی کے ناظم عمومی ہیں اور المعہد العالمی الاسلامی حیدر آباد کے موسس و ناظم ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ فقہ اسلامی پر آپ کو کافی عبور حاصل ہے اور خصوصاً جدید مسائل پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس لئے اہل علم کے ہاں آپ کی کتابیں نہایت ہی مقبول ہیں اس لئے جدید فقہی مسائل اور قاموس الفقہ ہر کتب خانے کی زینت ہے۔

زیر نظر کتاب کتاب الفتاویٰ جو حضرت مولانا صاحب کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ جس کو مولانا مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری صاحب نے ترتیب دی ہے۔ اگر چہ اردو زبان میں بہت سارے فتاویٰ شائع ہوئے ہیں مگر ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست کے مصداق ہے زیر نظر فتاویٰ بہت سارے خصوصیات کا حامل ہے مثلاً

(۱) اس فتاویٰ میں مدارج احکام کی رعایت کی گئی ہے (۲) متعدد فتاویٰ میں احوال الناس کی رعایت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے جواب دیا گیا ہے۔ (۳) بعض فتاویٰ میں بوقت ضرورت دوسرے مذاہب کے فقہاء کرام کی آراء سے استفتاء کرتے ہوئے دوسرے مذہب پر عمل کی اجازت دی گئی ہے۔ (۴) چونکہ حضرت مولانا صاحب کے مزاج میں اجتہادی مسائل کے اندر توسع کا ہے اسلئے بعض فتاویٰ میں ضرورت کے تحت توسیع سے کام لیا گیا ہے۔

(۵) حتی الوسع عزیمت پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ (۶) متعدد فتاویٰ میں حرام اور ناجائز کے متبادل جائز عمل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۷) متعدد فتاویٰ میں حکم شرعی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان احکام کی حکمت اور مصلحت بھی بیان کی گئی ہے۔ (۸) فتاویٰ میں مستفتی کی شخصی مصالح کو اور مزاج شریعت کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ (۹) فتاویٰ میں تذکیر و ترغیب سے بھی کام لیا گیا ہے۔ جس سے حضرات کا داعیانہ مزاج نمایاں ہوتا ہے۔ (۱۰) فتاویٰ میں زبان سہل اور عام فہم استعمال کیا گیا ہے تاکہ کم پڑھے لکھے آدمی بھی اس کو باسانی سمجھ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عنایت فرمائیں' مولانا مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری صاحب کو جنہوں نے اس عظیم علمی ذخیرے کو عمدہ انداز میں ترتیب دی اور ارباب ادارہ زمزم پبلشرز کراچی کو بھی سپاس اور جزائے خیر کے مستحق

ہیں جنہوں نے اس عظیم مجموعہ کو عمدہ کاغذ بہترین طباعت' اعلیٰ ڈیزائن کے ساتھ شائع کر کے علماء کرام طلباء اور عوام الناس پر احسان کیا۔ یہ کتاب ہر کتب خانے کی زینت اور ہر مشتاق علم کی ضرورت ہے۔

کتاب : روضۃ الاحوذی اردو شرح سنن ترمذی (ثانی) جلد اول قیمت : درج نہیں۔
تالیف: مولانا محمد حسین صدیقی (استاد حدیث جامعہ بنوریہ کراچی) ناشر: زمزم پبلشرز کراچی

امام ابوعیسیٰ ترمذی کی کتاب جامع ترمذی صحاح ستہ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں' جو کسی پر مخفی نہیں۔ ارباب علم نے مختلف زبانوں میں اس کتاب کی بہت خدمت کی مطول اور مختصر شروحات لکھے اور مختلف زبانوں میں اس کے کتاب کے ترجمے ہوئے' لہذا اس سلسلہ کی ایک کڑی حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب مدظلہ کی تالیف روضۃ الاحوذی بھی ہے' حضرت مولانا صاحب جامعہ بنوریہ کراچی کے استاد حدیث ہیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ درس وتدریس اور دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں آپ کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جو مقبول عام ہے' خصوصاً ریاض الصالحین کی اردو شرح روضۃ الصالحین جو ہر خاص وعام کے زیر مطالعہ ہے۔

زیر نظر کتاب روضۃ الاحوذی اردو شرح سنن ترمذی (ثانی) بھی آپ مدظلہ نے نہایت عرقریزی اور محنت شاقہ سے تحریر فرمائی ہے آپ نے یہ شرح حضرت اقدس حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنیؒ کے ارشاد اور حکم پر تحریر کیا ہے۔

کتاب میں ہر حدیث پر اعراب' اس کا سلیس ترجمہ' جامع اور مختصر تشریح' جامع ترمذی کی احادیث کی دوسرے ذخائر حدیث سے تخریج' روایان حدیث کے مختصر حالات' مشکل الفاظ کی تشریح اور ان الفاظ کا حدیث پاک میں مطلوبہ معنیٰ کی نشاندہی' سوالات اور ان کے جوابات کا اہتمام کیا گیا ہے۔ طلباء کرام کے علاوہ جامع ترمذی جلد ثانی کے مدرسین حضرات کے لئے بھی یہ شرح نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر دے ارباب زمزم پبلشرز کراچی کو کہ انہوں نے اس ذخیرے اور نعمت عظمیٰ کو عمدہ سفید کاغذ' بہترین طباعت' سادہ مگر جاندار نظر ٹائٹل میں شائع کر کے خواص اور عوام کے سپاس کے مستحق ہوئے۔

Brands Icon Award 2008 given to Rooh Afza

کامیابی کا یہ قصّہ نیا نہیں
پھر بھی اتنا ہی تازہ ...

اور اس سال Brands Icon Award کا اعزاز اس قصے کا ایک تازہ ترین باب ہے
جو کہ پاکستان کے صرف سات منفرد برانڈز کو نوازا گیا ہے۔
ایک ایسے برانڈ کے لئے جس نے سو سال سے اپنے اعلیٰ معیار کو مسلسل برقرار رکھا ہوا ہے
یہ اعزاز جیسے روز کی بات ہو۔ گو کہ ہر بار یہ خبر اتنی ہی تازہ ہوتی ہے جیسے کہ دنیا کا سب سے
بہترین روایتی مشروب ... روح افزا

Brands of the Year Award 2008

Consumers Choice Award 2008

Merit Export Award 2007-2008

Brands of the year Award 2008
BRAND'S PRIDE OF PERFORMANCE
WWW.BRANDSAWARD.COM

ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED

Tel: (009221) 6616001-4, E-mail: headoffice@hamdard.com.pk, www.hamdard.com.pk

Blitz DDB

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

مطبوعات مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

نمبر شمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذیؒ	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ	۵۳۶
۲۔	دعوات حق ۔ (مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات و عبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت و شہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۳۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	۔
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	روسی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاویٰ حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث و مفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل و شرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	زین المحافل (شرح شمائل ترمذی) جلد دو	مولانا اصلاح الدین	" " " " "	۱۰۵۵
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	۱۰۰
۲۲	انوار حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ○ جامعہ دار العلوم حقانیہ ○ اکوڑہ خٹک